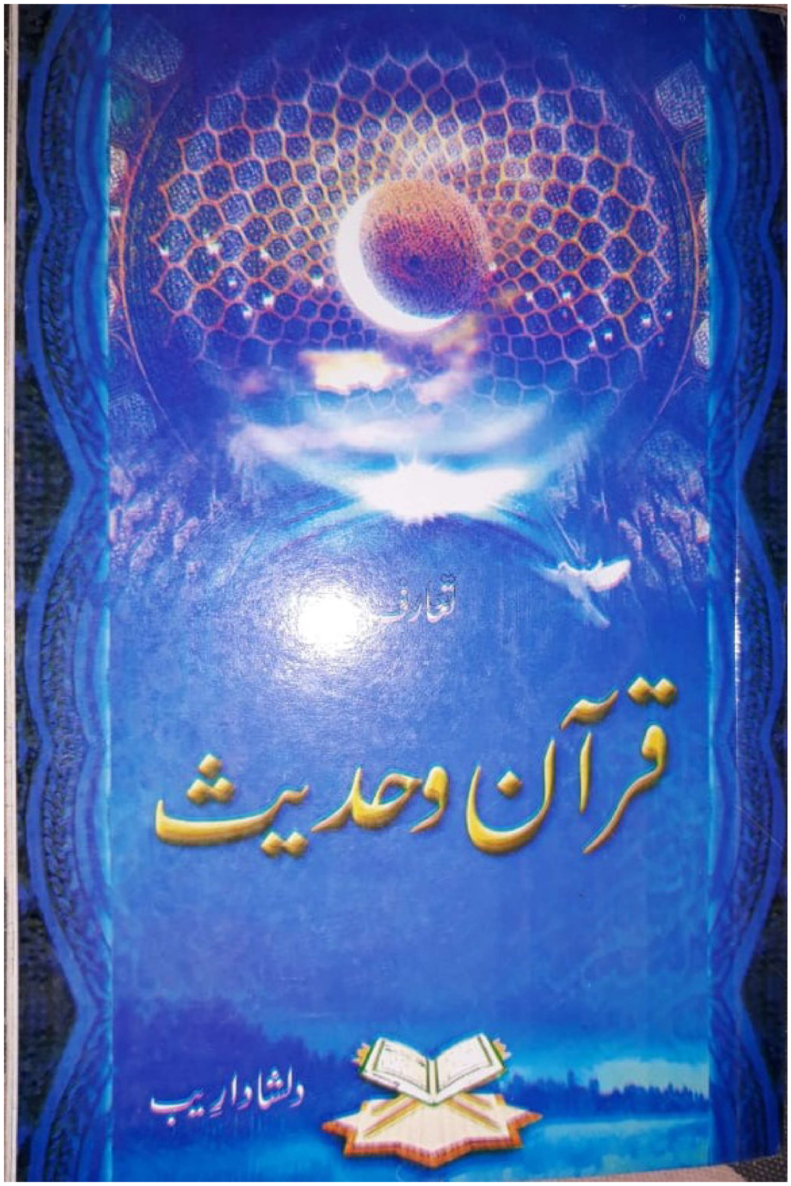
تعارف
قرآن وحدیث
دلشاد اریب

تعارفِ

قرآن وحدیث

مؤلف

دلشاد اریب

طلوع پبلی کیشنز باغ آزاد کشمیر

جملہ حقوق بحق پبلی شر محفوظ ہیں

نام کتاب	تعارفِ قرآن وحدیث
مصنف	دلشاد اریب
اشاعت اول	جنوری 2011ء
مطبع	اے آر ایم پرنٹرز راولپنڈی
تعداد	1000
قیمت	200 روپے
ملنے کا پتہ	احمد بک کارنر حیدری چوک باغ آزاد کشمیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

اُس **محسن انسانیت** صلی اللہ علیہ وسلم کے نام

کہ جو وجہِ تخلیق کائنات ہیں، جن کے وجودِ اطہر سے کفر و جہالت کی

تمام تاریکیاں نورِ ایمانی میں تبدیل ہوگئیں اور جو بروزِ حشر

مجھ جیسے گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے۔

فہرست عنوانات

عنوان	صفحہ نمبر
حرف آغاز	9
باب اول: حصہ قرآن	
الہامی کتب کا تعارف	12
قرآن مجید کا تعارف	17
نزول قرآن	20
مدت نزول قرآن	23
مکی اور مدنی سورتوں کی خصوصیات	25
حفاظت قرآن	29
قرآن کریم کی خصوصیات	36
تدوین قرآن	41
تلاوت قرآن فضائل اور آداب	51
اعجاز قرآن	57
رموز اوقاف قرآن مجید	64
تفسیر اور تاویل	66
تفسیر کی ضرورت اور اہمیت	70
اصول تفسیر	73
باب دوم: منتخب تفاسیر کا تعارف اور اجمالی جائزہ	
تفسیر ابن کثیر	80
تفسیر بیضاوی	84

تفسیر روح المعانی	87
احکام القرآن	91
تفسیر کبیر	93
تفسیر المراغی	96

باب سوم: منتخب آیات قرآن مجید

سورۃ البقرۃ	100
سورۃ المائدہ	104
سورۃ الانعام	108
سورۃ الرعد	111
سورۃ الحجرات	115
سورۃ الحشر	119

باب چہارم: حصہ حدیث

حدیث وسنت	126
حجیت حدیث	129
جمع وتدوین حدیث	139
اقسام حدیث	151
عدد رواۃ کے اعتبار سے اقسام	152
اقسام حدیث بلحاظ اسناد	154
اقسام حدیث بلحاظ صحت	155
اقسام حدیث بلحاظ اتصال سند	155
خبر مقبول کی اقسام	156
کتب حدیث کی اقسام	158

صحاح ستہ 161

باب پنجم: منتخب احادیث اربعین نووی

تعارف امام یحییٰ بن شرف نووی 170
اہمیت نیت 173
ارکان اسلام 176
خلوص و وفاداری کی تلقین 180
قبول اسلام کا دینوی ثمر 183
اُمتوں کی گمراہی و ہلاکت 185
رزق حلال وقبولیت دعا 187
وقت کی قدر 190
خودغرضی کی مذمت 192
ایمان کے بنیادی تقاضے 195
تین زریں نعمتیں 198
حیاداری کا جوہر 201
ایک جامع ہدایت 203
پابندی فرائض کا ثمرہ 205
طہارت امور خیر 208
صدقہ کا جامع مفہوم 212
برکت وثمرات زہد 215
ضرررسانی کی ممانعت 217
نہی عن المنکر کے تین درجے 219
دینی اخوت کے تقاضے 221
فکرآخرت 225

حرفِ آغاز

ع اب جس کے جی میں آئے وہی پائے روشنی

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات کے منصب پر فائز کیا ہے اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ انسان کو یہ شرف اس لیے بخشا گیا ہے کہ وہ حیوان ناطق ہے اور حیوان مطلق کے برعکس زیادہ خودمختار بھی، بلکہ درحقیقت انسان کو یہ منصب اس لیے عطا کیا گیا ہے کہ اس کے ذمہ جو بارِ امانت سپرد کیا گیا ہے وہ اتنا عظیم اور ارفع ہے کہ جو مخلوقات میں سے کسی اور کے حصے میں نہیں آسکا۔ اس منصب کا تقاضا ہے کہ انسان زمین پر اس کے نائب کی حیثیت سے اُس مقصد کی تکمیل کرے جو دراصل اس کا مقصد تخلیق ہے۔

دنیا میں انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور شافع محشر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کی تکمیل اسی تسلسل کی کڑی ہے جو درحقیقت انسان کی وجہِ تخلیق ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ: ''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں تم جب تک ان کو تھامے رہو گے ہدایت پر رہو گے، ان میں سے ایک اللہ کی کتاب قرآن مجید اور دوسری میری سنت ہے'' اس بات کی بھرپور عکاسی کرتا ہے کہ دنیا میں جتنے بھی علوم ہیں اُن کا حقیقی سرچشمہ اللہ کی کتاب قرآن مجید اور آپ کی سنت ہے۔ اسی کو تھام کر کوئی قوم سرخرو ہوسکتی ہے اور اسی سے روگردانی کر کے دائمی خسارہ مقدر بن سکتا ہے۔

اس بات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے تاریخ کے ہر دور میں اہلِ علم مفسرین، محدثین، فقہاء، مورخین اور ہر ایک شعبہ علم سے تعلق رکھنے والے اہلِ علم و قلم حضرات نے اپنی اپنی بساط کے مطابق علم و دانش کے وہ موتی بکھیرے ہیں جو رہتی دنیا تک لوگوں کے لیے منبع علم و عرفان اور ہدایت کا ذریعہ ہیں۔

ع اب جس کے جی میں آئے وہی پائے روشنی

کے مصداق اُن اہلِ علم کی زندگیاں ہی وہ مینارہ نور بنیں جن سے چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود ہر کوئی اپنی اپنی اہلیت اور بساط کے مطابق نور اور روشنی حاصل کر رہا ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک یوں ہی جاری و ساری رہے گا۔

راقم کی یہ ادنیٰ سی کاوش اسی تسلسل کی ایک کڑی ہے۔اس کی ترتیب وتالیف کے دوران مجھے ہرلمحہ اپنی کم مائیگی اورکم علمی کا احساس رہا ہے۔لیکن اس سب کے باوجود میں خالق کائنات کا کروڑ ہا شکر گزار ہوں کہ اُس کی بخشی ہوئی توفیق کے باعث میں اس قابل ہوا کہ یہ سب کام مکمل کرسکوں۔عربی کا ایک شعر ہے

اِنَّ الْمقَادِ یَر اِذَا سَاعَدَتْ

اَلْحقَتِ الْعَاجزَ بِالْقَادِرِ

یعنی:''تقدیر الٰہی جب کسی کی مددگار ہوتی ہے تو وہ عاجز اور درماندہ شخص کو بھی کسی قابل بنا دیتی ہے''

صحت، عافیت اور فرصت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں جن کی قدر انسان کو اُس وقت تک نہیں ہوتی جب تک وہ پاس رہتی ہیں اور زیادہ تر لوگ ان نعمتوں کو کاہلی اور سستی کی نذر کر دیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تساہل کے باوجود ان نعمتوں کا کچھ حصہ میں نے اس کاوش پر صرف کیا ہے۔

اس کتاب کی تدوین اور تالیف کا بنیادی مقصد اگرچہ نصابی ضرورت کو پورا کرنا ہے لیکن اس کی ترتیب وتالیف میں اس بات کا پورا خیال رکھنے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ ہرایک شعبہ ہائے زندگی سے وابستہ فرد کی تربیت اور راہنمائی میں معاون ہو سکے۔کتاب کے آغاز سے اختتام تک کے تمام مراحل میں بغیر کسی آمیزش کے صرف اُنہی مستند حقائق کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی گئی ہے جن سے ہم سب کو آئے روز واسطہ رہتا ہے۔اس کے باوجود دوران مطالعہ اگر کسی بھی طرح کی کوئی غلطی نظر سے گزرے تو ضرور آگاہ کریں تاکہ اس کا اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جا سکے۔

میری اس ساری کوشش اور کاوش کا مقصد اس سے زیادہ بھلا کیا ہوسکتا ہے کہ اس کتاب کا کوئی لفظ، کوئی حصہ شرف قبولیت پاکر اگر کسی کی زندگی میں موجود تاریکیوں کو دور کرکے اسے اشرف المخلوقات کے اُس مقام تک لے جائے جو دراصل انسان کا مقصد تخلیق ہے تو میں اسے اپنے اس مقصد میں کامیابی سمجھوں گا۔

میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش اور کاوش کو اپنے دربار میں قبول فرما کر فلاح اور افادہ عام اور اُخروی نجات کا ذریعہ بنائے۔آمین!

دلشاد اریب
Cell: 03335736140
areeb929@gmail.com

25 جنوری 2011ء

حصہ قرآن

الہامی کتب کا تعارف

الہامی کتب سے مراد وہ کتابیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے انبیاء علیہم السلام پر نازل کیں ان کو کتب اور صحف کہا جاتا ہے۔ ہمارے لیے ان کتب پر ایمان لانا فرض ہے اور یہ ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ ان میں سے بعض کتب اور صحف کے نام قرآن اور حدیث کے ذریعے سے ہم تک پہنچے ہیں جیسے مُصحف ابراہیم جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہوئے، تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اُتری، زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی، انجیل حضرت عیسیٰ پر اتاری اور سب سے آخر پر آنے والی کتاب قرآن پاک جو رسول خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ ان کے علاوہ کتابیں اور صحیفے جو دوسرے انبیاء پر نازل ہوئے کے متعلق ہمیں کوئی علم نہیں۔ اس لیے ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور نہ اس کا انکار کر سکتے ہیں۔ البتہ اس بات پر ہمارا پختہ ایمان ہے کہ جو کتابیں بھی اللہ کی طرف سے نازل ہوئیں وہ سب برحق تھیں۔ قرآن کریم میں اس بات کی طرف اشارہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآاُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ۔ (البقرۃ:۴)

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اس پر جو کچھ تم پر نازل ہوا اور اس پر جو تم سے پہلے نازل ہوا۔

پہلے انبیاء کی کتب پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہر قوم کے پاس ہدایت اور راہنمائی کے لیے اپنے احکام بھیجے اور وہ سب اسی خدا کے احکام تھے جس کی طرف سے قرآن نازل ہوا۔ مختصراً ان کتب کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

ا۔ تورات:

آپ کا اسم گرام موسیٰ بن عمران بن قاہت بن لادی بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم السلام

ہے۔آپ بنی اسرائیل کے اولوالعزم پیغمبر ہیں،آپؑ کا ذکر قرآن میں ۱۳۸ بار آیا ہے۔ بنی اسرائیل فرعون (رعمسیس ثانی) اور اس کی قوم کے مظالم کا شکار تھی۔اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مصر سے نکل کر فلسطین میں آباد ہونے کا حکم دیا۔ جب آپؑ اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکلے تو فرعون (رعمسیس ثالث) اور اس کی قوم نے آپؑ کا تعاقب کیا۔آپ اور آپ کی قوم نے راستے میں پڑنے والے دریا کو عبور کر لیا لیکن فرعون اور اس کا لشکر آپ کا پیچھا کرتے ہوئے دریا میں غرق ہو گیا اس طرح اللہ نے آپؑ کی قوم کو فرعون سے نجات دی۔

قرآنی احکام کے مطابق آپ کو اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر بلایا جہاں آپ کو تورات عطا ہوئی۔تمام عیسائی علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ تورات پندرہ سو برس قبل مسیح میں لکھی گئی۔ پہلے وہ ایک جلد میں تھی لیکن جب اسے 284ق م میں عبرانی سے یونانی زبان میں منتقل کیا گیا تو اس کو پانچ مختلف کتابوں،ا۔ کتاب پیدائش،۲۔کتابِ خروج،۳۔کتاب احبار،۴۔کتاب گنتی،۵۔کتاب استثناء میں تقسیم کر دیا گیا۔ان پانچ کتابوں کے مجموعے کو اسفارِ خمسہ (تورات)، اسفار موسیٰ اور شریعت موسیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ جدید دور میں تورات اصل حالت میں کہیں بھی موجود نہیں۔اس پر کئی بار ایسی زمینی اور آسمانی آفتیں نازل ہوئیں جن کے باعث یہ بار بار گم ہوئی اور لکھی گئی۔

یہودیوں اور عیسائیوں کی مشترکہ کتب کو بائبل بھی کہا جاتا ہے۔ بائبل یونانی زبان کا لفظ ہے۔ یہ شروع میں بیلارس (چمڑے) پر لکھی گئی اسی مناسبت سے اسے کلام بائبل کہا گیا۔بائبل دو حصوں 1-عہد نامہ قدیم،2-عہد نامہ جدید پر مشتمل ہے۔عہد نامہ قدیم یہودیوں کے ہاں جبکہ عہد نامہ جدید عیسائیوں کے ہاں متبرک ہے۔

عہد نامہ قدیم میں کل 93 کتابیں شامل ہیں۔ان کو مندرجہ ذیل تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:۔

1-تورات　　2-انبیاء کی کتب　　3-متفرق کتب

تورات پانچ کتب پر مشتمل ہے جس کا اُوپر ذکر کیا گیا ہے۔انبیاء کی کتب تین حصوں میں منقسم ہیں۔انبیائے متقدمین (پرانے انبیاء) کی کتب،انبیائے متاخرین کی کتب اور چھوٹے انبیاء کی کتب۔ جبکہ متفرق کتب میں تیرہ کتب شامل ہیں۔

۲۔زبور:

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت داؤدعلیہ السلامؑ کو بنی اسرائیل کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا۔آپؑ کا ذکرقرآن میں سولہ جگہ آیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے ساتھ ساتھ حکومت بھی عطا کی تھی۔حضرت موسیٰؑ کے بعد کچھ عرصہ تک تو بنی اسرائیل عزت سے رہے پھر جب ان کے اطوار بگڑے تو اللہ نے اُن پر ایک ظالم بادشاہ جالوت مسلط کر دیا۔حضرت شموئیلؑ نے طالوت کو بادشاہ بنا کر جالوت کے مقابلے میں بھیجا۔طالوت کی فوج میں آپ بھی شامل تھے۔آپؑ نے مقابلے میں جالوت کو قتل کر دیا۔آپؑ کی بہادری سے خوش ہوکر طالوت نے آپ کو اپنا داماد بنالیا اوراس کے بعد آپؑ بنی اسرائیل کے بادشاہ مقرر ہوئے۔آپؑ کی حکومت شام،عراق،فلسطین اورشرق اردن کے تمام علاقوں پر تھی۔

حضرت داؤدعلیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے زبوراتاری۔یہ اللہ تعالیٰ کی حمدوثناءاورتسبیحات کا مجموعہ تھی، ان کے علاوہ اس میں بعض نصائح و بشارات بھی تھیں۔آپ ایسی خوش الحانی سے اس کی تلاوت کرتے کہ پرندے اوراردگرد کے پہاڑ ہمنوا ہوجاتے اورآپؑ کے ساتھ مل کر اللہ کی حمدوثنا کے گیت گاتے۔سورۃ الانبیاء میں اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے؛

ترجمہ:''اورہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کر دیا ہے کہ وہ داؤد کے ساتھ مل کر تسبیح پڑھتے ہیں اورہم ایسا کر سکتے ہیں۔''

آج زبور کے نام سے جو کتاب ہے اس میں حمدیہ گیتوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کے اقوال بھی خلط ملط ہوگئے ہیں اور یہ اصل حالت میں کہیں محفوظ نہیں۔بائبل کے پہلے حصے عہدنامہ قدیم کی متفرق کتب میں زبور کا شمار ہوتا ہے۔متفرق کتب ان تیرہ کتابوں پر مشتمل ہیں:۔

ا۔روتھ،۲۔ایک تواریخ،۳۔دوتواریخ، ۴۔عزرا،۵۔نحمیاہ،۶۔استر،۷۔ایوب،۸۔زبور، ۹۔امثال،۱۰۔سلیمان کی کتاب،۱۱۔غزلیات سلیمان،۱۲۔نوحہ یرمیاہ،۱۳۔دانیال۔

بادشاہت کے باوجودآپؑ اپنے ہاتھ سے کمائی کرتے۔اللہ تعالیٰ نے آپؑ کے ہاتھ میں لوہے کو نرم کر دیا تھا جس سے آپ مختلف اوزار بناتے۔حضرت سلیمانؑ آپ کے بیٹے اور جانشین تھے۔جدید تاریخی تحقیقات کے مطابق آپ کا زمانہ 1020 ق م کا ہے۔آپؑ کی بادشاہت چالیس سال تک رہی اورآپ نے

سوسال کی عمر پائی۔

۳۔انجیل:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر ہیں اور انبیاء بنی اسرائیل میں سے سب سے آخری پیغمبر ہیں ۔قرآن کریم کی ۱۳سورتوں میں آپؑ کا تذکرہ ہوا ہے ۔قرآنی احکام کے مطابق آپؑ کی والدہ حضرت مریم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیٹے کی بشارت دی گئی اور نام بھی تجویز کیا گیا۔ پیدائش کے بعد حضرت عیسیٰؑ اپنی والدہ کی گود میں کلام کرنے لگے۔آپؑ کو بنی اسرائیل کی طرف ایک ایسے دور میں مبعوث کیا گیا جب ان میں کفروشرک ، ہرطرح کی گمراہی اور ظلم جڑ پکڑ چکا تھا،حتیٰ کہ یہ اپنے انبیاء کو بھی قتل کرنے سے گریز نہ کرتے تھے۔آپ نے لوگوں کو ایک اللہ کی طرف بلایا۔اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو بہت سے معجزات عطا کیے تھے۔آپ کی دعوت پر جولوگ ایمان لائے وہ حواری کہلائے ۔قوم نے آپ کی دعوت کو ناکام بنانے کے لیے مختلف الزامات لگا کر آپ کو(معاذ اللہ) گردن زنی قرار دیا۔اللہ تعالیٰ نے اُن کی تدبیر اُنہی پر اُلٹ دی اور حضرت عیسیٰؑ کو زندہ آسمان پر اُٹھالیا۔(قرآن حکیم کی سورۃ النساء اور سورۃ الاعمران میں واضح طور پر یہ بتادیا گیا ہے۔)

انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی لیکن یہ تحریری صورت میں نہیں تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو زندہ آسمان پر اُٹھالیا تو اُس وقت عیسائیت کوئی الگ مذہب نہیں تھا بلکہ یہودیت ہی کہلاتا تھا۔ آپؑ کے بعد حواریوں نے آپ کی تعلیمات کو باقاعدہ پھیلانا شروع کردیا۔ پولوس نامی شخص کو عیسائیت کا بانی کہا جاتا ہے۔آپ کے شاگردوں نے آپ کی تعلیمات اور افکار کو آپ کے زندہ اُٹھائے جانے کے بہت بعد قلمبند کیا۔اس طرح جو کتب تیار ہوئیں انہیں اناجیل اربعہ کہا جاتا ہے۔ یہ کتب یونانی زبان میں تحریر کی گئیں۔

عہد نامہ جدید بائبل کا دوسرا حصہ ہے جس میں کل ستائیس کتب ہیں ۔ان میں سے پہلی چار کتب ۱۔متی کی انجیل ،۲۔مرقس کی انجیل ،۳۔لوقا کی انجیل ،۴۔ یوحنا کی انجیل کا شمار اناجیل اربعہ میں کیا جاتا ہے ۔اناجیل اربعہ کے بعد رسولوں کے اعمال نامی کتاب آتی ہے اور پھر مختلف لوگوں کو لکھے گئے بائیس خطوط عہد نامہ جدید میں شامل ہیں۔ یاد رہے کہ یہ چاروں اناجیل مختلف مجہول الحال اشخاص کی تصانیف ہیں اور الہامی نہیں۔ان کتب میں آپس میں بھی اختلاف اور تضاد ہے اور ان میں ہمیشہ تحریف ہوتی رہی ہے۔

(قصص القرآن، تقابل ادیان، تفہیم القرآن، معارف القرآن)

۴۔ قرآن مجید:

بنی نوع انسان کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر انبیاء علیہم السلام کا جو سلسلہ شروع کیا۔ اس کی تکمیل ہادی برحق، رحمت اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کے تسلسل کی آخری کڑی ہیں۔ آپ ؐ کی پیدائش 571ء میں مکہ میں ہوئی۔ چالیس سال کی عمر میں آپ ؐ پر نزول وحی کا سلسلہ شروع ہوا جو کم وبیش تیئس سال تک جاری رہا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وقتاً فوقتاً نازل ہونے والا یہی کلام الٰہی قرآن مجید کہلاتا ہے جو رہتی دنیا تک کے تمام انسانوں کے لیے ہدایت اور راہنمائی کا ذریعہ ہے۔ آپ ؐ پر نبوت کی تکمیل ہوئی اور آپ ؐ کی تعلیمات قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے ہیں۔

قرآن مجید کا تعارف اور تفصیل درج ذیل ہے:۔

قرآن مجید کا تعارف

لفظی معنی:

قرآن کا لفظ قَـراء، یـقـراء اور قراۃ سے مشتق ہے اس کے معنی پڑھنا، تلاوت کرنا اور جمع کرنا کے ہیں۔ بلاشبہ یہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ روزانہ کروڑوں افراد اس کی تلاوت کرتے ہیں۔ مستشرق نویلڈ کی نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ ''یہ حقیقت ہے کہ دنیا بھر میں صرف قرآن ہی ایسی کتاب ہے جو سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، مقالہ قرآن)

اصطلاحی معنی:

اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو حضرت جبرائیلؑ کے ذریعے سے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ اس کتاب کی عظمت اور عزت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ یہ اُس رب العالمین کا کلام ہے جو ساری کائنات کا خالق و مالک ہے۔ جس فرشتے کے ذریعے اُتارا وہ قدسیوں کے سردار اور جس محترم و مکرم ہستی پر اُتارا وہ سالار الرسل اور رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ کتاب انسانوں کے لیے ایک مکمل ضابطہ حیات اور نصب العین کی حیثیت رکھتی ہے۔ دنیا و آخرت میں تمام تر کامیابی کا دارومدار اسی سے وابستہ ہے۔

اسماء القرآن:

قرآن کے لیے قرآن مجید میں بہت سے اسماء آئے ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ کتاب کس قدر زندہ اور اہم ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک ان کی تعداد پچپن کے لگ بھگ ہے۔ ان میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:۔

القرآن	سب سے زیادہ پڑھا جانے والا
الفرقان	حق و باطل میں فرق کرنے والا
الذکر	یاد دلانے والا، شرف و بزرگی والا

الکتاب	ایسی تحریر جو مکمل ہو
التنزیل	اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ
برہان	دلیل قطعی

وحی اور اس کی حقیقت

لغوی معنی: اشارہ کر دینا، چپکے سے بات کرنا یا دل میں کوئی بات ڈالنا،

اصطلاحی معنی: شرعی اصطلاح میں اس سے مراد وہ خاص غیبی طریقہ ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام تک بات پہنچاتے ہیں۔ قرآن کریم وحی الٰہی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

اقسام وحی:

وحی متلو: وہ وحی جس کی تلاوت کی جا سکے یعنی قرآن مجید،

وحی غیر متلو: وہ وحی جس کی تلاوت نہ کی جا سکے یعنی حدیث مبارکہ،

پہلی وحی:

سب سے پہلی وحی سورۃ العلق کی یہ پہلی پانچ آیات ہیں۔

اِقْرَاْبِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ، ۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، ۲ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ، ۳ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، ۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ. ۵ (العلق، 1تا 5)

ترجمہ: ’’پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھیے اور آپ کا رب سب سے زیادہ کریم ہے جس نے قلم سے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔‘‘

انقطاع وحی:

پہلی وحی کے بعد نزول قرآن کا سلسلہ کچھ عرصہ کے لیے منقطع رہا اس کو دور فترت کہتے ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں جا رہے تھے کہ آپ نے فرشتے کو دیکھا، اسی حالت میں آپؐ گھر تشریف لائے اور کمبل اوڑھ کر لیٹ گئے۔ تب سورۃ المدثر کی یہ آیات نازل ہوئیں؛

یٰٓاَیُّھَاالْمُدَّثِّرُ، قُمْ فَاَنْذِرْ، وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ، وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ، وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ.

(المدثر ۷۴: ۱۔۵)

اے کپڑا اوڑھنے والے، کھڑا ہو جا اور آگاہ کر دے، اور اپنے رب کی بڑائی کر، اور اپنے کپڑوں کو پاک صاف رکھ اور ناپاکی سے دور رہ۔۔اس کے بعد وحی کا سلسلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھر جاری رہا۔

آخری وحی:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا.

(المائدہ:۳)

ترجمہ:''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت مکمل کر دی اور میں نے تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند فرمایا۔''

اور بعض روایات کے مطابق سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۸۱ آخری آیت ہے۔

وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ.

ترجمہ: اور ڈرتے رہو اس دن سے جس دن لوٹائے جاؤ گے اللہ کی طرف۔

آخری مکمل سورت:

سورۃ النصر قرآن کی آخری مکمل سورت ہے جو آپؐ پر نازل ہوئی۔

ترتیب قرآن:

قرآن جس ترتیب سے نازل ہوا وہ قرآن کی ترتیب نزولی کہلاتی ہے جبکہ آج جس حالت میں قرآن موجود ہے وہ ترتیب توقیفی کہلاتی ہے۔توقیف کے معنی واقف اور آگاہ کرنا کے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ ترتیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو سکھائی تھی۔اللہ تعالیٰ نے ایک ایک آیت کا مقام و محل جبرائیلؑ کے ذریعے نبیؐ کو بتا دیا تھا۔ (فتح الباری)

☆☆☆

نزول قرآن

قرآن کریم وہ سر چشمہ رشد و ہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہادی برحق رحمت عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کم وبیش تیئیس سال کے عرصہ میں نازل ہوا۔ لفظ قرآن اس کتاب کی مختلف سورتوں میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 185 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ،

''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا ہے لوگوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ ہے اور ہدایت کی کھلی دلیلیں اور حق اور باطل کو الگ الگ کر دینے والے دلائل ہیں۔''

نزول وحی سے پہلے مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپؐ عبادت وریاضت کے لیے مکہ سے تین میل دور غار حرا میں تشریف لے جاتے اور کئی کئی دن تک وہاں رہتے۔ جب کھانا ختم ہو جاتا پھر گھر تشریف لے جاتے اور توشہ ساتھ لے کر پھر واپس آجاتے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال کی ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں یاد الٰہی میں مصروف تھے کہ ایک فرشتہ ناموس وہاں حاضر ہوا اور آپؐ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا ''اِقْــــرا'' یعنی پڑھ۔ آپؐ نے فرمایا ''ما انا بقاری'' میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ فرشتہ ناموس نے آپؐ کو سینے سے لگا کر زور سے دبایا پھر چھوڑا اور کہا ''اِقْرا'' یعنی پڑھ۔ آپؐ نے پھر وہی جواب دیا۔

فرشتے نے تین بار آپؐ کو دبایا اور چھوڑا تیسری مرتبہ کے بعد یہ سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات پڑھیں اور آپؐ سے پڑھنے کی فرمائش کی:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ، ۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، ۲ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ، ۳ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، ۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ. ۵ (العلق، 1تا 5)

'' تو پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے انسان کو ایک لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھ اور تیرا رب سب سے بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا، انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔''

اس واقعہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے، فرشتے اور وحی کے جلال کی وجہ سے آپؐ عجیب کیفیت کا شکار تھے۔ آپؐ نے حضرت خدیجہ سے فرمایا مجھے کپڑا اوڑھا دو، جب ذرا سکون ہوا تو آپؐ نے تمام ماجرہ حضرت خدیجہ سے بیان فرمایا اور کہا **خشیت علی نفسی** مجھے ڈر ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا:

''یعنی آپؐ صلہ رحمی کرتے ہیں، کمزوروں کے بوجھ اُٹھاتے ہیں، ناداروں کی خبر گیری کرتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں اللہ آپ کو کبھی تکلیف میں نہیں ڈالے گا''

جب آپؐ کو کچھ سکون ہوا تو حضرت خدیجہؓ آپؐ کو اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو تورات اور انجیل کے بڑے عالم تھے۔ آپ نے ورقہ کے سامنے سب ماجرا کہہ سنایا۔ ورقہ نے تمام بات سننے کے بعد کہا کہ:

''یہ تو وہی ناموس (فرشتہ) ہے جو حضرت موسیٰؑ پر بھی نازل ہوا تھا۔ کاش میں جوان ہوتا کہ جب آپؐ کی قوم آپؐ کو گھر سے نکالنا چاہتی تو میں آپؐ کی مدد کرتا۔''

پہلی وحی کے بعد کچھ عرصہ کے لیے وحی کا سلسلہ رک گیا، اس عرصہ کو دورِ فترت یا زمانہ فترت الوحی کہا جاتا ہے۔ یہ عرصہ کتنا تھا اس بارے میں متعدد روایات ہیں تاہم تاریخی واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عرصہ چھ ماہ سے زائد نہیں۔

ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ آپ نے اسی فرشتے کو زمین و آسمان کے درمیان معلق دیکھا۔ آپ کی کیفیت عجیب سی ہوگئی۔ آپ گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ سے کہا مجھے کپڑا اوڑھا دو۔ اس موقع پر سورۃ المدثر کی یہ آیات نازل ہوئیں:

يَآاَيُّهَاالْمُدَثِّرُ، قُمْ فَاَنْذِرْ، وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ، وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ، وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ.

(المدثر ۷۴: ۱۔۵)

اے کپڑا اوڑھنے والے، کھڑا ہو جا اور آگاہ کر دے، اور اپنے رب کی بڑائی کر، اور اپنے کپڑوں کو پاک صاف رکھ اور ناپاکی سے دور رہ۔

اس وحی کے بعد آپؐ پر نزول وحی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ یہ سلسلہ آخری وہی تک جاری رہا۔ کبھی ایک آیت نازل ہو جاتی کبھی ایک سے زائد آیات۔ قرآن مجید کا نزول ضرورت اور حالات کے مطابق آہستہ آہستہ نازل ہوتا تھا جیسا کہ قرآن مجید فرقان حمید میں آتا ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً، كَذٰلِكَ، لِنُثَبِّتَ بِهٖ

فُؤَادَکَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا. (الفرقان ۲۵ : ۳۲)

''اور کافر کہتے ہیں کہ قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہیں اُترا، اسے اسی طرح اترنا چاہیے تھا تا کہ تیرے دل کو ہم تسکین دیں اور ہم نے اسے ایک ترتیب سے اُتارا ہے۔''

قرآن کے بتدریج نزول میں کئی حکمتیں تھیں اول تو یہ کہ دعوت دین کے دوران کفار کی طرف سے آپ ؐ کو جن مصائب، دکھوں اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا اُن میں قرآنی آیات کا نزول آپ ؐ کے لیے باعث تسکین قلب تھا، کیونکہ ان صبر آزما حالات میں اللہ کے کلام سے بڑھ کر باعث تسکین اور کیا چیز ہو سکتی تھی۔ دوسرے یہ کہ کفار کے سوالات کے جوابات آپ ؐ کو بذریعہ وحی ملتے اور آپ ان کو جواب دیتے جیسا کہ جب کفار نے آپ ؐ سے روح کی حقیقت کے متعلق سوال کیا:

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ ، (بنی اسرائیل ۱۷ : ۸۵)

''آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں''

وحی کے ذریعے رسول کریم ؐ نے جواب دیا:

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ . (بنی اسرائیل، ۱۷:۸۵)

''کہہ دیجیے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے۔''

سوم یہ کہ بتدریج قرآن کے نزول کا یہ فائدہ بھی تھا کہ قرآن کا جو حصہ نازل ہوتا صحابہ کرام آپ ؐ سے سن کر اُسے حفظ کر لیتے۔ اگر سارا قرآن ایک ہی بار نازل ہوتا تو صحابہ کے لیے اُس کو حفظ کرنا اور یاد کرنا ممکن نہ ہوتا نیز قرآنی آیات کی تعلیم سمجھنے اور عمل کرنے میں شدید دشواری کا سامنا رہتا۔

اس کے ساتھ ساتھ معاشرہ میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کے لیے ضروری تھا کہ اُن مسائل کا بذریعہ وحی حل سامنے آتا۔ چنانچہ جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا، وحی نازل ہو جاتی۔ اس طرح صحابہ کرام کو مسائل سمجھنے اُن کو حل کرنے میں اور اپنی زندگیاں اسلامی سانچے کے مطابق ڈھالنے میں آسانی ہوگئی جو کہ رضائے الٰہی تھا۔

قرآن کا کچھ حصہ آپ ؐ کے مکہ میں قیام کے دوران نازل ہوا جب کہ باقی حصہ ہجرت مدینہ کے بعد نازل ہوا۔ نزول قرآن کا یہ عرصہ بالترتیب قرآن کا مکی اور مدنی دور کہلاتا ہے۔

☆☆☆

مدت نزول قرآن

قرآن حکیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بائیس سال دو ماہ اور بائیس دن کی مدت میں نازل ہوا۔قرآن کریم کے نزول کا مکی دور بارہ سال پانچ ماہ اور تیرہ دن پر مشتمل ہے جبکہ مدنی دور نو سال نو ماہ اور نو دن پر محیط ہے۔

مکی اور مدنی آیات کا فرق:

ہجرت سے قبل جو آیات نازل ہوئیں انہیں مکی آیات کہا جاتا ہے خواہ وہ کسی بھی مقام پر نازل ہوئیں ہوں اور ہجرت کے بعد کی کل آیات مدنی کہلاتی ہیں خواہ وہ کسی بھی مقام پر نازل ہوئی ہوں۔سفر ہجرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو آیات نازل ہوئیں انہیں بھی مدنی ہی شمار کیا جاتا ہے۔مثلاً سورۃ محمد کی آیت نمبر 13 جو ہجرت کے دوران نازل ہوئی تھی ۔سورۃ مائدہ کی آیت نمبر 3 اگر چہ حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں نازل ہوئی اس کے باوجود اسے مکی آیت نہیں کہا جائے گا بلکہ وہ مدنی ہی کہلائے گی کیونکہ ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے۔

مکی اور مدنی آیات کی تعداد گنتے وقت عموماً ایک غلط فہمی ہوتی ہے کہ مکی آیات اتنی ہیں جتنی کہ مکی سورتوں میں موجود ہیں اور مدنی آیات اتنی ہیں جتنی کہ مدنی سورتوں میں موجود ہیں حالانکہ یہ غلط ہے۔بعض مکی سورتوں میں بھی مدنی آیات موجود ہیں مثلاً سورۃ الانعام مکی ہے لیکن سورۃ الانعام کی آیت نمبر 163 سے آیت نمبر 170 تک آٹھ آیات مدنی ہیں ۔اسی طرح بعض مدنی سورتوں میں بھی مکی آیات موجود ہیں مثلاً سورۃ الانفال مدنی ہے لیکن اس کی آیت نمبر 30 سے آیت نمبر 36 تک سات آیات مکی ہیں ۔اس لیے مکی آیات کی تعداد گنواتے وقت صرف مدنی سورتوں کی تعداد کو جمع کر لینا صحیح نہیں ہے اور مدنی آیات کی تعداد گنواتے وقت صرف مدنی سورتوں کی تعداد کو جمع کر لینا بھی درست نہیں ہے۔

تعداد آیات

کل آیات:	6236 (عام طور پر جو یہ مشہور ہے کہ 6666 آیات ہیں یہ درست نہیں ، قرآن حکیم سے تعداد گن کر تصدیق کی جاسکتی ہے۔)
مکی آیات:	4538 (اگر صرف مکی سورتوں کی آیات گنیں تو یہ تعداد نہ بنے گی لیکن کچھ مدنی سورتوں میں بھی مکی آیات موجود ہیں۔)
مدنی آیات:	1698 (اگر صرف مدنی آیات کی تعداد گنی جائے تو یہ نہ بنے گی لیکن کچھ مکی سورتوں میں بھی مدنی آیات موجود ہیں۔)
کل پارے	30 (تیس)
رکوع	558 (عام طور پر جو 540 رکوع مشہور ہیں یہ درست نہیں)
منزلیں	7 (پہلی منزل سورۃ الفاتحہ سے سورۃ النساء، دوسری سورۃ المائدہ سے سورۃ التوبہ ، تیسری سورہ یونس سے سورۃ النحل ، چوتھی سورہ بنی اسرائیل سے سورہ الفرقان ، پانچویں سورۃ الشعراء سے سورہ یٰسین ، چھٹی سورہ الصّٰفّٰت سے سورۃ الحجرات، ساتویں سورہ ق سے سورۃ الناس)

☆☆☆

مکی اور مدنی سورتوں کی خصوصیات

مکی سورتیں اور آیات

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت کے بعد ہجرت سے پہلے مکہ میں تقریباً تیرہ سال کا عرصہ گزارا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت دین کے جواب میں کفار مکہ نے آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو طرح طرح سے ستایا۔ کفار کسی بھی صورت اپنا آبائی مذہب چھوڑنے پر تیار نہیں تھے۔ کفار مکہ کے ان اعتراضات اور مخالفت کے جواب میں قرآن کا جو حصہ مکہ میں نازل ہوا اس میں کفار کو دعوت ایمان کے ساتھ ساتھ ان کے مخالفانہ روش پر ان کو عذاب علیم سے خبردار کیا ہے۔ نزول قرآن کا یہ سارا دور قرآن کا مکی دور کہلاتا ہے۔

مکی سورتوں کی خصوصیات

مکی دور کی سورتوں کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ ایمانیات:

مکی سورتوں میں عام طور پر ایمانیات (توحید، رسالت، ملائکہ، الہامی کتب اور آخرت) کی طرف دلائل دیئے گئے ہیں۔ قرآن کے یہ دلائل تاریخی بھی ہیں عقلی اور کائناتی بھی۔

۲۔ تاثیر وروانی:

مکی سورتوں اور آیات میں زبردست قوت، بلا کی تاثیر اور دریا کی سی روانی ہے۔ ان آیات کی زبان نہایت شستہ وشیریں، پراثر اور قوم کے ذوق کے عین مطابق ادبی رنگ لیے ہوئے ہے۔ حتی کہ عرب فصیح اللسان ہونے کے باوجود قرآن کو سن کر گونگے بن گئے۔

۳۔ ایجاز واختصار:

مکی سورتوں میں ایجاز واختصار اور ادبی رنگ نمایاں ہے مکی سورتیں چھوٹی چھوٹی اور آیات زوردار مگر مختصر ہیں۔

۴۔ گذشتہ اقوام کے واقعات:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو بھی اقوام گزری ہیں قرآن نے ان اقوام کے عبرتناک واقعات اور قصص کو احسن طریقے سے بیان کیا ہے۔مثلاً قوم عاد، ثمود وغیرہ۔ یہ تمام واقعات مکی سورتوں میں بیان کیے گیے ہیں۔ان کا مقصد کفار مکہ کو ان اقوام کے واقعات سنا کر عبرت دلانا اور نافرمانی کی روش اختیار کرنے پر عذاب الیم سے خبردار کرنا ہے۔

۵۔ پہلے انبیاء کا تذکرہ:

مکی سورتوں میں سابق انبیاء مثلاً آدمؑ ،نوحؑ ،ابراہیمؑ اور دوسرے بہت سے انبیاء کا تذکرہ ہے اس کا مقصد انبیاء کا مقصد بعثت ،ان کی دعوت توحید کی تاریخ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا تسلسل بھی بیان کیا ہے۔مثلاً سورہ یوسف، سورہ نوح وغیرہ۔

۶۔ باطل عقائد کی تردید:

مکی سورتوں میں کفار مکہ کے باطل عقائد مثلاً شرک، انکار توحید، انکار رسالت اور آخرت کی تردید دلائل کے ساتھ کی گئی ہے اور انکار کی روش پر متنبہ کی گیا ہے۔

۷۔ اسلوب بیان:

مکی سورتوں کا اسلوب بیان لفظی حسن و جمال، صوتی مٹھاس اور نغمگی کا احساس لیے ہوئے ہے۔ آیات مختصر، مقفیٰ و مسجع ہیں۔اسلوب قسم کا استعمال بطور شہادت و دلیل کے ہے۔جذباتی آہنگ، رعب دار اور پرجلال انداز مکی سورتوں کا نمایاں وصف ہے۔

۸۔ قیامت کی ہولناکیوں اور عذاب جہنم کا بیان:

ان سورتوں میں کفار مکہ کو نافرمانی اور انکار کی روش اختیار کرنے پر قیامت کی ہولناکیوں، عذاب جہنم اور خدا کے غضب کا خوف دلایا گیا ہے۔

۹۔ **یَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ** کے الفاظ کے ساتھ جن سورتوں میں مخاطب کیا گیا ہے عام طور پر وہ مکی ہیں۔یہ عمومی اسلوب ہے۔گویا اس کا خطاب دعوت عام ہے اور وہ کسی قوم یا علاقے تک محدود نہیں اگرچہ اس کے اولین مخاطب اہل مکہ تھے۔

۱۰۔ سجدہ ہائے تلاوت:

قرآن میں مذکور سجدہ ہائے تلاوت میں سے بیشتر سجدے مکی سورتوں میں پائے جاتے ہیں۔

۱۱۔ لفظ کَلَّا جس سورت میں بھی آیا ہے وہ مکی ہے۔

مدنی سورتیں اور آیات

وہ تمام سورتیں اور آیات جو ہجرت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں مدنی سورتیں کہلاتی ہیں۔ اگرچہ ہجرت کے بعد قرآن کا کوئی حصہ مکہ میں بھی نازل ہوا تو وہ مدنی سورتوں کی فہرست میں آتا ہے۔

مدنی سورتوں کی خصوصیات

مدنی سورتوں کے خواص مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ اہل ایمان سے خطاب:

مکی سورتوں میں زیادہ تر **یـاایھـاالنـاس** (اے لوگو) کہہ کر خطاب کیا گیا ہے کیونکہ ان سورتوں کا موضوع دعوت ایمان ہے۔ اس کے برعکس مدنی سورتوں میں چونکہ مخاطب مومنین ہیں اس لیے ان کا موضوع دعوت عمل ہے اور **یاایھاالذین امنو** (اے ایمان والو) کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔

۲۔ طوالت:

مکی سورتوں کے برعکس مدنی سورتیں طویل اور مفصل ہیں جیسے سورۃ البقرۃ، آل عمران، النساء الانعام وغیرہ۔ مدنی سورتوں کی تعداد ۲۸ ہے۔

۳۔ مختلف گروہوں سے برتاؤ:

مدینہ میں چونکہ اوس اور خزرج کے ساتھ ساتھ یہود اور منافقین کے گروہ بھی موجود تھے اس لیے ان سورتوں میں مختلف گروہوں کے ساتھ مسلمانوں کے برتاؤ کا ذکر کیا گیا ہے۔ منافقین کی خفیہ سرگرمیوں کو چاک

کیا گیا ہے اور ان پر کڑی نظر رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

۴۔ عبادات:

ان سورتوں میں عبادات اسلامی یعنی نماز، روزہ، زکواۃ اور حج کے احکام مفصل بیان کیے گئے ہیں۔

۵۔ معاشرتی قوانین:

مکہ میں اسلام کی حیثیت مذہب کی تھی مدینہ پہنچ کر یہ ریاست بن گیا۔ مدنی سورتوں میں ان معاشرتی قوانین اور معاملات کا ذکر کیا گیا ہے جو مسلمانوں کو درپیش تھے۔مختلف معاشرتی قوانین مثلاً نکاح، طلاق، عدت، رضاعت، وراثت وغیرہ کے احکامات موجود ہیں۔

۶۔ اسلامی سیاسی نظام:

مدنی سورتوں میں اسلامی ریاست کے لیے پورے سیاسی نظام کا اصولی ڈھانچہ دیا گیا ہے۔

۷۔ نظام عدل:

مدنی سورتیں اسلامی ریاست کے لیے پورے نظام عدل کا ڈھانچہ فراہم کرتی ہیں۔

۸۔ سادہ اسلوب:

مدنی سورتوں کا اسلوب سادہ اور عام فہم ہے۔

۹۔ تذکرہ اہل کتاب:

مدنی سورتوں میں اہل کتاب کے باطل عقائد کی تردید کی گئی ہے۔

مختصراً یہ کہ مکی سورتیں انسان کی جذباتی اور مدنی سورتیں انسان کی عقلی و عملی تربیت کا ذریعہ ہیں۔

☆☆☆

حفاظتِ قرآن

حفظ:

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی اکثر صحابہ کرام سارا قرآن حفظ کر چکے تھے۔ صحابہ کرام قرآنی آیات کو اپنی زندگیوں کا حاصل کل اور غذا سمجھتے تھے، وہ قرآن کے نزول کا شدت سے انتظار کرتے اور جب کوئی آیت نازل ہوتی، وہ آپؐ سے سن کر فوراً یاد کر لیتے تھے۔ صحابہ کرام کثرت سے آپؐ کی صحبت میں رہتے اور وہ صحابہ جو کسی وجہ سے آپؐ کی صحبت میں نہیں رہ سکتے تھے انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ باری مقرر کر رکھی تھی۔ ایک آپؐ کی محفل میں شریک ہوتا اسلامی احکام سیکھتا، اگر کوئی آیت نازل ہوتی یاد کر لیتا اور اپنے دوسرے ساتھی کو بتا دیتا۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ مدینہ کے مضافات میں ایسے مقام پر رہتے تھے جہاں ایک انصاری ان کا ہمسایہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس انصاری کے ساتھ یہ انتظام کیا ہوا تھا کہ دونوں باری باری رسول کریمؐ کی مجلس میں حاضر ہوتے اور جو کچھ سنتے یاد رکھتے اور ایک دوسرے کو مطلع کر دیتے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ:

''جب میں نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو میں اس دن کی وحی وغیرہ کی تمام خبریں اس دوسرے شخص کو سناتا اور جس دن وہ حاضر ہوتا تو اس دن کی خبریں وہ مجھے سناتا''۔

(صحیح بخاری)

اس طرح بعض ایسے صحابہ تھے جنہوں نے ہجرت کے وقت اپنا تمام گھر بار لٹانے کے بعد اپنا کاروبار چھوڑ دیا تھا اور وہ تمام وقت مسجد نبوی میں بسر کرتے۔ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو وہ فوراً یاد کر لیتے۔ ان کا شغل ہی تلاوت قرآن تھا۔

رسول کریمؐ صحابہ کرام کو خود بھی حفظ قرآن کا شوق دلاتے تھے۔ بخاری میں حدیث ہے:

''حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔''

بخاری اور مسلم دونوں میں یہ حدیث موجود ہے:

''حضرت عائشہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کے ماہران فرشتوں کے ساتھ ہوتے ہیں جو بہت عزت والے اور بزرگ ہیں اور جو قرآن شریف کو اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اور نہایت مشکل سے اس کے حروف ادا کرتا ہے تو اس کے لیے دوگنا اجر ہے۔''

مسلم کی حدیث ہے:

عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور ہم اس وقت صفہ میں تھے۔ آپؐ نے پوچھا کہ تم میں سے کون اس بات کی خواہش کرتا ہے۔ ہر روز بطحان یا عقیق کو جائے اور بڑی کوہان والی دو اونٹنیاں بغیر کوئی گناہ اور قطع رحم کئے لائے؟ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ہم سب اس بات کو پسند کرتے ہیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا تم میں سے جو صبح مسجد میں آ کر کتاب اللہ کی دو آیات پڑھتا یا پڑھاتا ہے وہ اس کے لیے دو اونٹنیوں سے بڑھ کر ہیں اور تین آیات تین اونٹنیوں سے بہتر ہیں اور چار آیات چار اونٹنیوں سے بہتر ہیں۔ جتنی آیات پڑھے پڑھائے وہ اتنے ہی اونٹوں سے بہتر ہوں گی۔''

صحابہ کرام ایک دوسرے سے روحانی فوقیت حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے بڑھ کر قرآن کو حفظ کرتے تھے۔ رسول اللہؐ اس شخص کو امامت کے عہدہ پر منتخب کرتے جس کو سب سے زیادہ قرآن مجید یاد ہوتا۔

صحابہ کرام کو تلاوت قرآن کا اتنا شوق تھا کہ بعض صحابہ ایک رات میں تمام قرآن ختم کر لیا کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر آپؐ نے ہدایت فرمائی کہ قرآن مجید سمجھ کر اور آہستہ آہستہ ختم کرنا چاہیے۔ چنانچہ بخاری میں ایک باب اس مضمون پر ہے کہ کتنے دنوں میں قرآن ختم کرنا چاہیے۔

ایک حدیث ہے کہ ایک صحابی کی نسبت آپؐ کو معلوم ہوا کہ وہ ہر رات قرآن شریف ختم کرتا ہے۔ اس پر آپؐ نے اسے بلا کر ہدایت فرمائی کہ قرآن پڑھنے میں اتنی جلدی نہیں کرنی چاہیے۔ آہستگی سے تلاوت کرنی چاہیے ایک رات میں نہیں بلکہ سات دنوں میں، پانچ دنوں میں یا کم از کم تین دنوں میں ختم کرنا چاہیے۔

فتح الباری میں شرح صحیح بخاری جلد ۹ صفحہ ۵۳ پر یہ حدیث منقول ہے۔

''قرآن شریف کو سات دنوں میں پڑھا کرو اور تین دنوں سے کم مدت میں ہرگز ختم نہ کرو''۔

اسی طرح ایک حدیث نسائی میں منقول ہے:

یعنی عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ میں نے سارا قرآن اپنے حافظہ میں جمع کر لیا اور ہر رات ایک دفعہ قرآن ختم کرتا تھا جب اس امر کی اطلاع نبی کریمؐ کو پہنچی تو آپؐ نے فرمایا کہ ایک ماہ میں ختم کیا کرو۔

قرآن مجید آپ ؐ کی زندگی میں ہی بہت سے صحابہ کو یاد تھا۔ احادیث سے ثابت ہے کہ آپ ؐ کی زندگی میں ستر قراء بیرمعونہ کے قریب کفار کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

عہدصدیقی میں یمامہ کی جنگ میں کثیر تعداد میں صحابہ شہید ہوئے چنانچہ قرآن کے حفاظ (قراء) کی تعداد سات سو تھی۔

صاحب فتح الباری نے قراء کے معنی یہ کیے ہیں کہ:

''وہ لوگ جو قرآن کو حفظ کرنے اور دوسروں کو سکھانے میں مشہور تھے۔''

حفاظ قرآن:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہی صحابہ کرام کی ایک ایسی جماعت تیار ہو گئی تھی جسے قرآن زبانی یاد تھا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حفاظ قرآن کی اس جماعت میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن السائبؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عمروؓ بن العاص، حضرت حفصہؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت ام ورقہؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابوالدرداؓ، حضرت مجمع بن جاریہؓ، حضرت مسلمہ بن مخلدؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت عقبہ بن عامرؓ، حضرت تمیم داریؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت ابوزیدؓ جیسے حضرات شامل تھے۔ (الاتقان فی علوم القرآن، ج۱، ص۷۳:۷۴)

صحابہ کرام کی یہ وہ جماعت ہے جن کا نام تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے بے شمار صحابہ کرام ہوں گے جن کو پورا قرآن یاد تھا لیکن ان کا نام تاریخ میں محفوظ نہ رہ سکا۔ اس بات کا ثبوت ان تاریخی واقعات سے ملتا ہے کہ رسول کریم ؐ نے بعض اوقات ایک ایک قبیلے کی طرف ستر ستر قاری قرآن کی تعلیم کے لیے بھیجے۔ چنانچہ غزوہ بئرمعونہ کے موقع پر ستر قراء صحابہ شہید ہوئے، اتنی ہی تعداد جنگ یمامہ میں شہید ہوئی تھی۔ (الاتقان ص۷۳)

ایک روایت کے مطابق جنگ یمامہ میں سات سو قراء شہید ہوئے تھے۔

(عمدۃ القاری، ج۱، ص۱۶، ۱۷)

مختصراً یہ کہ آغاز اسلام میں ہی حفاظت قرآن کے دو طبعی طریقے اختیار کر لیے گئے تھے ایک کتابت دوم حفظ۔

عہد صدیق اکبر اور حفاظت قرآن:

قرآن مجید حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مدون ہو چکا تھا اور بے شمار حفاظ کے سینوں میں محفوظ تھا۔ بے شمار افراد کے پاس قرآن مجید کے تحریری نسخے موجود تھے۔ امام ابن حزم نے لکھا ہے کہ خلیفہ اول کے زمانہ میں کوئی ایسا شہر نہیں تھا جہاں لوگوں کے پاس کثرت سے قرآن مجید کے تحریری نسخے نہ ہوں اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مسلمانوں کے پاس قرآن مجید کے تحریری نسخے ایک لاکھ سے کم نہ تھے۔

(كتاب الفصل فى الملل و النحل .)

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں آیات اور سورہ کو باقاعدہ کتابی صورت میں ایک مستند نسخہ مرتب کرنے کی ضرورت اس وقت محسوس ہوئی جب حفاظ کرام لڑائیوں میں کثرت سے شہید ہو رہے تھے قرآن مجید لکھا ہوا موجود تو تھا لیکن اس کے اجزا منتشر تھے سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور حضرت ابوبکرؓ سے کہا۔ بخاری میں روایت ہے کہ زید بن ثابتؓ نے کہا کہ: "مجھے ابوبکرؓ نے جنگ یمامہ کے بعد بلوا بھیجا۔ میں آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ عمرؓ بن خطاب ان کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ تو ابوبکرؓ نے فرمایا کہ عمرؓ میرے پاس آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ جنگ یمامہ میں قرآن کے بہت سے قراء شہید ہوئے ہیں اور مجھے خطرہ سا محسوس ہوا ہے کہ اگر اسی طرح دوسری لڑائیوں میں قراء شہید ہوتے رہے تو بہت سا قرآن ہاتھوں سے جاتا رہے گا۔ لہذا میری رائے یہ ہے کہ آپؓ قرآن کو جمع کرنے کا حکم دیں۔ تو میں نے عمرؓ کو جواب دیا کہ ہم اس کام کو کس طرح سرانجام دیں جسے رسول اکرمؐ نے نہیں کیا۔ اس پر عمرؓ نے کہا خدا کی قسم یہ نہایت ضروری اور بہتر کام ہے اور عمرؓ مجھ سے اس معاملہ میں اصرار اور بحث کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے سینے کو اس کام کے لیے کھول دیا اور میری بھی وہی رائے ہوگئی جو عمرؓ کی ہے۔"

پھر زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"تم جوان اور زیرک ہو، ہم تم پر کسی طرح کی تہمت نہیں لگا سکتے۔ نیز تم رسول کریمؐ کے عہد مبارک میں کاتب وحی تھے لہذا تم پورے قرآن کو ایک جگہ جمع کرنے میں لگ جاؤ۔ خدا کی قسم اگر وہ مجھے کسی پہاڑ کو منتقل کرنے کی تکلیف دیتے تو مجھ پر اس قدر گراں نہ گزرتا جتنا قرآن کے جمع کرنے کی ذمہ داری کا بار گراں جس کا انہوں نے حکم دیا۔ میں نے کہا کہ آپ دونوں کس طرح وہ کام کرنا چاہتے ہیں جسے رسول کریمؐ نے نہیں کیا۔ تو ابوبکرؓ نے فرمایا اللہ کی قسم یہی بہتر ہے۔ پس ابوبکرؓ مجھ سے اصرار اور بحث کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ

نے میرا سینہ اس کام کے لیے کھول دیا جس کے لیے ابوبکرؓ اور عمرؓ کے سینوں کو کھول دیا تھا۔

چنانچہ میں قرآن کو کھجور کے درختوں کی چھالوں سے اور پتھر کی تختیوں سے اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرتا رہا۔ البتہ سورۃ توبہ کا آخری حصہ مجھے صرف ابوخزیمہؓ انصاری کے پاس سے ملا اور ان کے سوا کسی اور کے پاس وہ مجھے نہ ملا یعنی (لقد جاء کم رسو ل من انفسکم) سے ختم سورہ برات تک پس یہ صحیفے ابوبکرؓ کے پاس ان کی وفات تک رہے پھر عمرؓ کے پاس ان کی وفات تک اور پھر حضرت حفصہؓ کے پاس۔''

(بخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القران شرح ابن حجر عسقلانی جلد ۹ ص ۸)

حضرت زید بن ثابتؓ کی مساعی

حضرت زید بن ثابتؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے حکم پا کر تیزی اور مستعدی سے کام شروع کرایا۔

حضرت ابوبکرؓ کی ہدایت کے مطابق ہر آیت یا چند آیات کو قبول کرنے کے لیے دو گواہوں کی ضرورت تھی۔

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ سے کہا تھا کہ مسجد کے دروازہ پر بیٹھ جایئے اور جو شخص کتاب اللہ کے کسی حصہ پر دو گواہ پیش کرے تو وہ حصہ لکھ لیا کرو۔ (الاتقان ج ۱، ص ۱۰۰)

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ دو گواہوں سے حفظ اور کتابت مراد ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ جب تک دو گواہ نہ لیتے اس وقت تک کسی آیت کو قبول نہ کرتے تھے۔

جمال القراء میں مرقوم ہے کہ اس بات کا مقصد یہ ہے کہ دو گواہ اس بات کی شہادت دیں کہ یہ آیات آپؐ کے سامنے تحریر کی گئی تھیں۔ (الاتقان ج ۱، ص ۱۰۰)

حضرت زید بن ثابتؓ نے جمع و تدوین کا کام ایک سال کی مدت میں مکمل کیا۔

حضرت علیؓ کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ ابوبکرؓ پر رحم فرمائے وہ اولین شخص تھے جس نے قرآن کو کتابی صورت میں جمع کیا۔ (البرہان ج ۱، ص ۲۳۹)

مصحف نام رکھنے کی وجہ:

جب قرآن مجید منتشر اجزا سے اوراق میں جمع ہو گیا تو حضرت ابوبکرؓ نے صحابہؓ سے رائے طلب کی کہ اس مجموعہ کا نام کیا رکھا جائے۔ مختلف لوگوں نے مختلف نام تجویز کیے۔ آخر کار مختلف تجاویز کے بعد اس کا نام مصحف رکھا گیا چنانچہ علامہ سیوطی رقمطراز ہیں:

''حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: اس کا کوئی نام مقرر کیجیے۔ بعض نے ''السفر'' (پیغامات) تجویز کیا، آپؓ

نے فرمایا یہ یہود کا تجویز کردہ نام ہے۔بعض اصحاب نے ''المصحف'''، تجویز کیا۔ یہ نام حبشہ میں رائج تھا،اسی پر اتفاق ہو گیا۔

حضرت ابوبکرؓ کے جمع کردہ مصحف پر امت کا اجتماع ہو چکا تھا تو اس کے ساتھ اس کی صحت ثابت ہو چکی ہے ۔بعض علماء کا یہ خیال ہے حضرت ابوبکرؓ نے قرآن مجید کو قرأت سبعہ کے مطابق مدون کیا۔ اس اعتبار سے بھی یہ مصحف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جمع شدہ قرآن کے مطابق ہے۔

عہد عثمانؓ اور حفاظت قرآن:

رسول کریمؐ نے سہولت کے لیے عرب کے ہر قبیلہ کو اپنے اپنے لہجہ اور رسم الخط میں پڑھنے اور لکھنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں اختلاف قرأت کی وجہ سے نو مسلم عجمیوں میں ایک فتنہ اُٹھ کھڑا ہوا جس کا ذکر احادیث میں آتا ہے۔ حضرت امام بخاری نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے۔

حذیفہ بن الیمانؓ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے آرمینیا کی فتح میں اہل شام کے ساتھ اور آزربائیجان کی فتح میں اہل عراق کے ساتھ جہاد میں شرکت کی تھی۔ وہاں ان دونوں علاقوں کے مسلمانوں کا قرأت قرآن میں اختلاف دیکھ کر گھبرا گئے۔ پس جب وہ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور کہا: اے امیر المومنین! اس امت کی خبر لیجیے۔قبل اس کے کہ وہ کتاب اللہ میں اسی طرح اختلاف کرنے لگیں جس طرح یہود اور نصاریٰ نے اختلاف کیا تو حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہمارے پاس صحیفے ارسال کر دیں تاکہ ہم ان کی نقلیں مصاحف میں کر لیں پھر آپ کو اصل صحیفے واپس کر دیں گے۔ تو حضرت حفصہؓ نے ان صحیفوں کو حضرت عثمانؓ کی خدمت میں بھیج دیا۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت سعید بن العاصؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن الحارث کو حکم دیا تو ان لوگوں نے اس کو مصاحف میں نقل کیا۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کے سوا بقیہ تینوں قریشی اصحاب سے کہا تھا کہ جب تم لوگ اور زید بن ثابتؓ قرآن کے کسی معاملے میں اختلاف کرو تو اس کو لغت قریش پر لکھنا کیونکہ وہ انہی کی زبان میں نازل ہوا تھا تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ جب اصل مسودات مصاحف میں نقل کر لیے گئے تو حضرت عثمانؓ نے اصل صحیفوں کو حضرت حفصہ کے پاس بھیج دیا اور جو مصاحف نقل کرائے تھے ان سب کا ایک ایک نسخہ مملکت کے ہر علاقے میں بھیج دیا اور حکم دیا کہ اس کے سوا جس صحیفہ یا مصحف میں قرآن لکھا ہوا ہے اسے جلا دیا جائے۔ (صحیح بخاری کتاب فضائل قرآن)

حضرت عثمانؓ نے یہ فیصلہ خود نہیں کیا بلکہ آپ نے کبار صحابہ کا ایک شوریٰ کا اجلاس بلایا اور اس سے فتنے کے سد باب کے لیے رائے طلب کی۔ پورے غور وخوض کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ مصاحف کے چند نسخے لکھوا کر مملکت کے دوسرے شہروں میں بھیجے جائیں اور سرکاری طور پر یہ حکم جاری کر دیا جائے کہ ان مصاحف کے علاوہ دوسرے ناقص صحیفوں پر اعتماد نہ کیا جائے اور قرأت انہی مصاحف کے مطابق کی جائے۔

چنانچہ اس فیصلہ کے تحت ۲۴ھ کے اواخر اور ۲۵ھ کے اوائل میں چار حفاظ پر مشتمل ایک بورڈ تشکیل ہوا جس کے اراکین کا ذکر اوپر کی سطروں میں کیا گیا ہے۔ ان میں اول الذکر انصاری اور بقیہ تینوں قریشی ہیں۔ امام ابن سیرین کی روایت کے مطابق بورڈ کے اراکین کی تعداد بارہ تھی۔ ان اراکین میں حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت مالک بن ابی عاد اور کثیرؓ بن افلح کے نام بھی آتے ہیں۔ بعض روایات میں سعید بن العاص کے بجائے ان کے چچا ابان بن سعید کا نام بھی آتا ہے۔ بعض نے عبداللہ بن الحارث مخزومی کا نام بیان کیا ہے۔ اس بورڈ کے سربراہ حضرت زید بن ثابتؓ اور کاتب سعید بن العاص تھے۔

غیر مسلموں (مستشرقین) کی شہادتیں:

سر ولیم میور دیباچہ حیات محمد میں لکھتا ہے:

''اس بات کی تسلی بخش اور قابل اطمینان اندرونی اور بیرونی شہادت موجود ہے کہ قرآن اس وقت بھی ٹھیک اسی شکل میں محفوظ و مامون ہے جس حالت میں محمدؐ نے اسے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔''

جرمنی کے مشہور مستشرق نولڈ یکی نے لکھا ہے:

یورپ کے جن جن مصنفین نے اب تک اس امر کی زبردست کوشش کی ہے کہ قرآن میں تحریف ثابت کریں۔ اپنی سعی اور جدوجہد میں حیرت انگیز طور پر ناکام ثابت ہوئے ہیں۔

معنوی حیثیت:

مسلمانوں نے جس طرح قرآن مجید کے الفاظ اور ترتیب کی حفاظت کی ہے اسی طرح اس مقدس صحیفہ کو معنوی تحریف سے محفوظ رکھا ہے۔ ائمہ نے قرآن مجید کی اجمالی مقامات کی تفسیر احادیث نبوی کی مدد سے کی اور قرآن مجید کو تحریف معنوی سے محفوظ رکھا۔ متکلمین نے قرآنی تعلیمات کو عقل کے ساتھ تطبیق دے کر فلسفیانہ اعتراضات کے جوابات دیئے۔ (تفہیم القرآن، ص۱۱۲۔۱۲۰)

قرآن کریم کی خصوصیات

کتاب ہدایت وضابطہ حیات

ا۔ کتابِ ہدایت وضابطہ حیات:

''الہامی مذہبی کتب میں سے قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جو علم وہدایت کا مرقع ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے متعلق ہدایات اور راہنمائی قرآن سے نہ ملتی ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو (**ھدی للناس**) لوگوں کے لیے مرقع ہدایت کہا ہے۔ اسی طرح یہ کتاب علم کی تمام شاخوں کی آبیاری کرتی ہے۔ اس میں تاریخی اصول بھی ہیں۔ جس کے تحت قوموں کا عروج وزوال ہوتا ہے اور اخلاقی ضابطے بھی ہیں جن سے افراد اور معاشرہ کی زندگی سنورتی ہے۔ اس میں مطالعہ کائنات کی طرف توجہ بھی دلائی گئی ہے۔ جس سے تمام سائنسی علوم منضبط ہوتے ہیں۔ اس میں علم سیاسیات، علم الاقتصاد، علم عمرانیات، علم لسانیہ وغیرہ بیان کر دیے گئے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کتاب کو کامل ترین ہونے کا دعویٰ ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا.

''آج میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر راضی ہو گیا۔ (المائدہ:۳)

(تفہیم القرآن، ص ۱۲۶)

۲۔ محفوظ کتاب:

قرآن کریم دنیا کی وہ واحد کتاب ہے جس کے الفاظ اور معانی ومفاہیم میں کسی طرح کا کوئی ردو بدل نہیں۔ پوری تاریخ انسانی میں ایسی کوئی دوسری کتاب نہیں جو یہ دعویٰ کر سکے کہ وہ تحریف وردوبدل سے

پاک ہے۔جبکہ اس کے برعکس قرآن میں خود اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت بیان کرتا ہے:

اِنَّانَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ.

ہم نے ہی اس مقدس ذکر (قرآن) کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

(الحجر : ۹)

اس کے ساتھ ساتھ قرآن یہ دعویٰ بھی کرتا ہے:

وَاِنَّهٗ لَكِتَبٌ عَزِيۡزٌ. لَّا يَاۡتِيۡهِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَلَا مِنۡ خَلۡفِهٖ.

مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک زبردست کتاب ہے باطل نہ سامنے سے اس پر آ سکتا ہے نہ پیچھے سے ۔ (سورۃ حم السجدۃ: ۴۱:۴۲)

معروف مستشرق سر ولیم میور اپنی کتاب لائف آف محمد ۲۵ کے دیباچہ میں لکھتا ہے: ''اس بات کی تسلی بخش اور قابل اطمینان اندرونی اور بیرونی شہادت موجود ہے کہ قرآن اس وقت بھی ٹھیک اسی شکل میں محفوظ اور مامون ہے جس حالت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔''

۳۔حق و باطل میں تمیز:

قرآن کریم کی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت اس کا حق و باطل، خیر و شر اور اچھے اور برے میں تمیز ہے۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَدۡ تَّبَيَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَيِّ، (البقرۃ ۲:۲۵۶)

''ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔''

قرآن کریم کے مختلف اسما میں سے ایک ''الفرقان'' یعنی حق و باطل کے درمیان تمیز بھی ہے۔

۴۔فصاحت و بلاغت:

قرآن حکیم اپنی فصاحت و بلاغت میں بھی معجزانہ انداز و اسلوب اور خصوصیات کا حامل ہے۔اس کا اعتراف مسلمان اور غیر مسلم ہر ایک نے کیا ہے۔نزول قرآن کے وقت عرب میں بے شمار فصیح و بلیغ ادباء و شعراء موجود تھے جن کی زبان آوری مسلمہ تھی مگر جب قرآن کا نزول شروع ہوا تو ان کی یہ فصاحت و بلاغت کچھ کام نہ آ سکی۔لبید عرب کا مشہور شاعر تھا جس کا کلام سات مشہور قصائد میں شامل تھا جو خانہ کعبہ میں آویزاں

تھے۔ جب اس نے قرآن سنا تو شعر کہنا ترک کر دیے کہ قرآن کے سامنے اس کی شاعری ہیچ ہے۔

ڈاکٹر موریس فرانسیسی لکھتا ہے: ''قرآن کی سب سے بڑی تعریف اس کی فصاحت و بلاغت ہے۔ مقاصد کی خوبی اور مطالب کی خوش اسلوبی کے اعتبار سے قرآن کو تمام آسمانی کتابوں پر فوقیت ہے۔''

۵۔قوت و تاثیر:

قرآن مجید کے الفاظ اور آیات میں ایسی زبردست قوت و تاثیر ہے جس نے سخت سے سخت دلوں کو بھی موم کر دیا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ

(الحشر ۵۹: ۲۱)

''اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اتارتے تو تو اسے اللہ کے خوف سے گرا ہوا پھٹا ہوا دیکھتا۔''

حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کا واقعہ اس کی زندہ مثال ہے کہ وہ گھر سے تو نعوذ باللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادہ سے نکلتے ہیں لیکن جب اپنی بہن کے گھر قرآن کی چند آیات سنتے ہیں تو دل کی دنیا بدل جاتی ہے اور فوراً دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں۔

قرآن کی قوت و تاثیر کا اس سے بڑھ کر اور کیا اعجاز ہو سکتا ہے کہ انسان تو انسان جن بھی جب کلام الٰہی سنتے ہیں تو ایمان لے آتے ہیں۔

قرآن کی اسی قوت و تاثیر سے ڈر کر مخالفین لوگوں کو قرآن سننے سے روکتے اور یہ کہتے کہ جب کوئی مسلمان قرآن سنانے لگے تو شور کرو۔

۶۔عالمگیر کتاب:

جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے لیے رسول بنا کر مبعوث فرمایا

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ.

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے جو کتاب عطا کی گئی وہ بھی تمام جہانوں کی

ہدایت اور راہنمائی کے لیے ہے۔اس طرح یہ ایک ایسی عالمگیر کتاب ہے جس کے مخاطب صرف اس وقت کی عرب قومیت ہی نہیں تھی بلکہ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے یہ ہدایت اور راہنمائی کا ذریعہ ہے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِيْنَ (یوسف ۱۲:۱۰۴)

''یہ کتاب تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے۔''

۷۔زندہ زبان:

قرآن سے پہلے اللہ تعالیٰ نے دوسری اقوام پر جو کتابیں نازل کیں اُن میں سے زیادہ تر کی زبان عبرانی (سریانی) اور آرامی تھی جو کہ اب کہیں بولی نہیں جاتیں۔اسی طرح تورات، زبور اور انجیل جو اُن زبانوں میں نازل ہوئیں آج اُن زبانوں میں موجود نہیں بلکہ اُن کے تراجم مختلف زبانوں میں ہوئے جو آج موجود ہیں۔لہٰذا ان میں ردوبدل لازم اور فطری ہے۔اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے قرآن کو عربی مبین میں نازل کیا۔جو اس وقت دنیا کے بہت سے ممالک کی قومی زبان ہے۔جبکہ دنیا بھر میں عربی بولنے، سمجھنے، پڑھنے اور لکھنے والوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔یہ بھی قرآن کا اعجاز ہے کہ اس کی زبان متروک نہیں ہوئی بلکہ دنیا بھر میں رائج ہے۔بقول ڈاکٹر حمید اللہ ''نہ اس میں زمانی فاصلے کی وجہ سے کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہے۔''

۸ پہلی کتب کا مصدق:

قرآن مجید کی ایک خصوصیت اس کا پہلی آسمانی کتب کی تصدیق بھی ہے۔قرآن میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابُ بِالْحَقِ مُصَّدِقًا لِمَابَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابُ .

''اور ہم نے تیری طرف کتاب حق کے ساتھ اتاری اس کی تصدیق کرتی ہوئی جو اس سے پہلے کتاب میں سے ہے۔'' (المائدہ ۵:۴۸)

۹۔غیب کی خبریں:

قرآن مجید کسی دلیل کے بغیر دعویٰ نہیں کرتا۔یہ غیب کی خبروں سے بھرا ہوا ہے۔ان میں سے بعض وہ خبریں ہیں جن کا تعلق ماضی سے ہے اور بعض ایسی ہیں جو مستقبل سے متعلق ہیں۔اس طرح کی خبریں

یقیناً ایسی ہستی کی طرف سے ہیں جو علیم وخبیر ہے اور اس نے نبی کو بذریعہ وحی ان واقعات سے آگاہ کیا۔

فرعون کی لاش:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ جس فرعون سے تھا اس کا نام رعمسیس ثانی تھا۔ قرآن مجید نے فرعون کی لاش سے متعلق خبر دی کہ وہ موجود ہے۔ یہ بات نزول قرآن کے وقت کی ہے:

فَالْيَومَ نُنَجِّيكَ بِبَدنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً. (یونس: ۹۲)

اب تو ہم صرف تیری لاش ہی کو بچائیں گے تا کہ تو بعد کی نسلوں کے لیے نشانِ عبرت بنے۔

بہت بعد میں فرعون کی لاش محفوظ مل گئی اور تحقیق سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ اُسی فرعون کی لاش ہے جس نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مقابلہ کیا اور غرق ہوا۔ یہ قرآن کی بہت بڑی خصوصیت ہے۔

اس طرح قرآن نے بہت سی پیش گوئیاں بھی کیں جو بعد میں حرف بہ حرف پوری ہوئیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مکی دور میں روم اور ایران کے درمیان ہونے والی جنگ میں ایرانی غالب آئے۔ قرآن نے پیش گوئی کی:

غُلِبَتِ الرُّوْمُ. فِيْ اَدْنىٰ الْاَرْض وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ.

رومی مغلوب ہوئے قریب کی سرزمین میں اور اس مغلوبیت کے بعد چند سال میں غالب آجائیں گے۔ (الروم: ۲، ۳، ۴)

یہ پیش گوئی بھی چند سال بعد پوری ہوگئی جو قرآن کے دعوے کی عملی دلیل ہے۔

☆☆☆

تدوین قرآن

جمع وتدوین قرآن

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تقریباً تئیس سال کے عرصہ میں نازل کیا۔ اس کے نزول کا آغاز غار حرا میں سورۃ العلق کی مندرجہ ذیل ابتدائی آیات سے ہوا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ، ۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، ۲ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ، ۳ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، ۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ. ۵ (العلق، 1تا 5)

''تو پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے انسان کو ایک لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھ اور تیرا رب سب سے بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا، انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔''

اور اس کا اختتام سورۃ المائدہ کی آیت:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا.

''آج میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر راضی ہو گیا۔ (المائدہ : ۳)

پر ہوا۔ قرآن کریم جس ترتیب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اسے قرآن کی ترتیب نزولی کہتے ہیں جبکہ جس ترتیب میں آج قرآن تحریری صورت میں موجود ہے اسے قرآن کی ترتیب توقیفی کہتے ہیں۔ یہ وہی ترتیب ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیلؑ کے ذریعے نبیؐ تک پہنچائی اور نبیؐ نے کاتبین وحی کو سکھائی۔ سابقہ انبیاء کی کتب کے برعکس قرآن حکیم شروع دن سے ہی محفوظ چلا آ رہا ہے کیونکہ اس کی حفاظت کا

ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّانَحْنُ نَزَّلْنَا الذِکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ. (الحجر : ۹)

ہم نے ہی اس مقدس ذکر (قرآن) کو نازل فرمایا ہےاور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

قرآن کریم کی تدوین تین ادوار میں مکمل ہوئی، پہلا دور عہد رسالت کا ہے دوسرا عہد صدیقی اور تیسرا عہد عثمانی کہلاتا ہے۔

عہد رسالت مآبؐ (یکم نبوی تا ۱۱ھ):

قرآن کریم کی کتابت کا آغاز نزول وحی کے فوراً بعد شروع ہو گیا تھا۔ایک روایت کے مطابق نزول قرآن کے چوتھے روز قرآن کی کتابت شروع ہوئی۔حضرت خالدؓ بن سعید کو سب سے پہلے کاتب وحی کو ہونے کا شرف حاصل ہوا۔جب بھی قرآن کی کچھ آیات یا سورت نازل ہوتی تو آپؐ کے حکم سے کاتبین وحی اسے فوراً تحریر فرما لیتے۔پھر حکم ہوتا کہ اسے فلاں سورت یا آیت کے ساتھ شامل کر لو۔اس طرح سارا قرآن آپؐ کے سامنے لکھا گیا۔اس دور میں تدوین وحفاظت قرآن کے دو طریقے عام طور پر استعمال کیے جاتے تھے ایک طریقہ حفظ اور دوسرا کتابت کا تھا۔

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں لکھنے کا رواج موجود تھا جیسا کہ مشہور سبعہ معلقات لکھے گئے اور ان کو خانہ کعبہ میں آویزاں کیا گیا تھا۔لکھنے کے رواج سے متعلق مسلم مورخین اور سیرت نگاروں کے ساتھ ساتھ مستشرقین بھی اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ مکہ کی شہری ریاست میں اس وقت پڑھے لکھے کچھ لوگ موجود تھے اور لکھنے کا رواج موجود تھا۔چنانچہ سر ولیم میور کہتا ہے کہ:

''لیکن اس بات کو ماننے کے لیے بہت زبردست وجوہ موجود ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں متفرق طور پر قرآن شریف کے نسخے لکھے ہوئے صحابہ کے پاس موجود تھے اور ان نسخوں میں سارا قرآن یا قریباً سارا لکھا ہوا موجود تھا۔اس میں شک نہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت سے بہت پہلے مکہ میں فن تحریر عروج پر تھا اور مدینہ میں جا کر تو خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مراسلات لکھوانے کے لیے کئی صحابہ مقرر کیے ہوئے تھے۔جو لوگ بدر میں گرفتار ہو کر آئے تھے انہیں اس شرط پر وعدہ رہائی دیا گیا تھا کہ وہ بعض مدنی آدمیوں کو لکھنا سکھا دیں۔اور اگرچہ اہل مدینہ اہل مکہ کے برابر تعلیم یافتہ نہ تھے

لیکن وہاں بھی بہت سے ایسے لوگ موجود تھے جو اسلام سے پہلے لکھنا جانتے تھے۔"

(لائف آف محمد، ص:۲۸)

قرآن کریم کی پہلی وحی سورۃ العلق کی ابتدائی آیات میں عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، "اللہ نے قلم کے ذریعے علم سکھایا" میں کتابت کا واضح اشارہ موجود ہے۔ قرآن مجید کی اندرونی شہادت بھی اس پر موجود ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں لکھا جا چکا تھا۔

الٓمٓ ،ذَالِکَ الْکِتَابُ لَارَیْبَ فِیْہِ. (البقرۃ:۱)

رَسُوْلُ مِنَ اللّٰہِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَھَرَۃً فِیْھَا کُتُبُ قَیِّمَۃٌ.(البینہ : ۳)

اِنَّہٗ لَقُرْآ نٌ کَرِیْمٌ، فِیْ کِتَابِ مَکْنُوْنٍ، لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ .

(الواقعہ: ۷۷، ۷۹)

بے شک یہ قرآن بڑی عزت والا ہے، جو ایک محفوظ کتاب میں درج ہے، جسے صرف پاک لوگ چھو سکتے ہیں۔

اس طرح متعدد آیات میں قرآن کو کتاب کہا گیا ہے جو کہ یقیناً لکھی ہوئی چیز کے ہیں۔

اس آیت میں دو باتوں کی وضاحت کی گئی ہے ایک یہ کے قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جس میں کوئی بھی تحریف نہیں کرسکتا اور دوسرا یہ کہ قرآنی آیات ابتدا سے ہی لکھی جانے لگی تھیں تبھی یہ کہا گیا ہے کہ اسے پاک ہاتھ ہی چھو سکتے ہیں اگر یہ لکھا ہوا نہ ہوتا تو چھونے کا کیا مطلب تھا۔

قرآن کریم کے تحریری صورت میں لکھے جانے کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے واقعہ میں یہ بات بہت غور طلب ہے کہ وہ جب اپنی بہن اور بہنوئی کے گھر میں جاتے ہیں تو وہ قرآنی اوراق پر سورہ طٰہٰ کی تلاوت کر رہے ہوتے ہیں جنہیں پڑھ کر ان کے دل کی دنیا بدل جاتی ہے اور وہ اسلام قبول کر لیتے ہیں۔ یہ اور اس طرح کے کئی واقعات اس بات پر شاہد ہیں کہ قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تحریری طور پر موجود تھا۔

کاتبین وحی سفر وحضر میں آپؐ کے ساتھ ہوتے تا کہ جب وحی کا نزول ہو تو اس کی کتابت کی جا سکے۔ آپؐ نے سفر ہجرت میں بھی اس کا اہتمام کر رکھا تھا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ بطور خاص آپ کے ہمراہ تھے جو

کہ کاتب وحی بھی تھے۔ مدینہ پہنچ کر آپؐ نے مسجد نبوی میں ایک صندوق رکھوادیا تھا چنانچہ جب بھی قرآن کا کوئی حصہ نازل ہوتا، آپؐ کاتبین وحی سے اس کی کتابت فرماتے اور پھر اسے صندوق میں رکھوا دیتے۔ اس طرح آپؐ کے وصال ۱۱ھ تک سارا قرآن تحریری صورت میں جمع ہوگیا۔ صحابہ کرام میں سے جس کو ضرورت پڑتی مسجد نبوی سے اپنے لیے نقلیں تیار کر لیتے۔

قرآن کریم کی مستند شہادتوں کے علاوہ شریعت اسلامیہ کے دوسرے بڑے ماخذ حدیث مبارکہ سے بھی یہ بات پایائے ثبوت کو پہنچتی ہے کہ قرآن آپؐ کی حیات مبارکہ میں ہی سارے کا سارا تحریری طور پر محفوظ کیا جا چکا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بن العاص کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی سارا قرآن جمع کر ڈالا تھا اور رات بھر میں ختم کر دیا کرتا تھا۔ آپؐ کو علم ہوا تو فرمایا ایک ماہ میں ختم کیا کرو۔

(مسند احمد)

مستدرک حاکم میں ایک روایت ہے بعض صحابہ فرماتے تھے ہم لوگ رسول اللہؐ کے پاس بیٹھ کر رقاع (چرمی قطعات) میں قرآن لکھ لیا کرتے تھے۔

کاتبین وحی کی ایک بڑی تعداد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہر وقت موجود رہتی تھی۔ علوم القرآن صبحی صالح میں ہے کہ حضرت زیدؓ کے علاوہ اور بھی کاتبین وحی تھے، جن کی تعداد چالیس تک شمار کی گئی ہے۔

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ بن عوام، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت حنظلہؓ بن ربیع، حضرت عبداللہ بن ارقمؓ، حضرت شرجیلؓ بن حسنہ، حضرت عبداللہؓ بن رواحہ، حضرت زیدؓ بن ثابت، حضرت امیر معاویہؓ، حضرت حذیفہؓ بن یمان، حضرت عبداللہؓ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح ان میں سے چند مشہور کاتبین وحی تھے۔

کاتبوں کی تعداد زیادہ مقرر کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اگر کسی وقت کوئی ایک کاتب موجود نہ ہو تو دوسرا اس کام کو سرانجام دے دے۔ حضرت حنظلہؓ بن ربیع رسول کریمؐ کے تمام کاتبوں کے نائب تھے انہیں حکم تھا کہ کوئی رہے نہ رہے وہ ہر حال میں موجود رہیں تا کہ ضرورت پڑنے پر حاضر ہو سکیں۔

قرآن کی تدوین وحفاظت کے لیے کتابت کے ساتھ ساتھ حفظ دوسرا اہم ذریعہ تھا۔ جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی اسے لکھ لیا جاتا نیز صحابہ اسے یاد کر لیتے، اس طرح جوں جوں قرآن نازل ہوتا رہا اور اس کی کتابت ہوتی رہی اس کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد کے سینوں میں بھی محفوظ ہوتا رہا۔ قرآن کا جتنا حصہ ایک سال میں نازل ہوتا رمضان میں جبرائیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر اسے دہراتے۔ جس سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا اس رمضان میں جبرائیل نے دو بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر قرآن دہرایا۔ یہ اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ قرآن کے حفظ کے ساتھ ساتھ اس کی ترتیب وتدوین بھی خود جبرائیل نے بحکم خداوندی آپؐ کو سکھائی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی صحابہ کرام کی ایک ایسی جماعت تیار ہوگئی تھی جسے قرآن زبانی یاد تھا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حفاظ قرآن کی اس جماعت میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن السائبؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عمروؓ بن العاص، حضرت حفصہؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت ام ورقہؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابوالدرداؓ، حضرت مجمع بن جاریہؓ، حضرت مسلمہ بن مخلدؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت عقبہ بن عامرؓ، حضرت تمیم داریؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت ابوزیدؓ جیسے حضرات شامل تھے۔ (الاتقان فی علوم القرآن، ج۱ص۷۳:۷۴)

صحابہ کرام میں سے یہ وہ اصحاب ہیں جن کا نام تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے بے شمار صحابہ کرام ہوں گے جن کو پورا قرآن یاد تھا لیکن ان کا نام تاریخ میں محفوظ نہ رہ سکا۔ اس بات کا ثبوت ان تاریخی واقعات سے ملتا ہے کہ رسول کریمؐ نے بعض اوقات ایک ایک قبیلے کی طرف ستر ستر قاری قرآن کی تعلیم کے لیے بھیجے۔ چنانچہ غزوہ بئر معونہ کے موقع پر ستر قراء صحابہ شہید ہوئے، اتنی ہی تعداد جنگ یمامہ میں شہید ہوئی تھی۔ (الاتقان ص۷۳)

ایک روایت کے مطابق جنگ یمامہ میں سات سو قراء شہید ہوئے تھے۔

(عمدۃ القاری، ج۱ص۱۶،۱۷)

مختصراً یہ کہ آپؐ کے وصال کے وقت قرآن پورے کا پورا صحابہ کے سینوں کے ساتھ ساتھ تحریری صورت میں بھی محفوظ کیا جا چکا تھا۔

عہد حضرت ابوبکر صدیقؓ 11ھ تا 13ھ:

قرآن مجید حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مدون ہو چکا تھا اور بے شمار حفاظ کے سینوں میں محفوظ تھا۔ بے شمار افراد کے پاس قرآن مجید کے تحریری نسخے موجود تھے۔ امام ابن حزم نے لکھا ہے کہ: ''خلیفہ اول کے زمانہ میں کوئی ایسا شہر نہیں تھا جہاں لوگوں کے پاس کثرت سے قرآن مجید کے تحریری نسخے نہ ہوں اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مسلمانوں کے پاس قرآن مجید کے تحریری نسخے ایک لاکھ سے کم نہ تھے۔''

(کتاب الفصل فی الملل و الخل .)

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں آیات اور سورہ کو با قاعدہ کتابی صورت میں ایک مستند نسخہ مرتب کرنے کی ضرورت اس وقت محسوس ہوئی جب حفاظ کرام لڑائیوں میں کثرت سے شہید ہو رہے تھے قرآن مجید لکھا ہوا موجود تو تھا لیکن اس کے اجزا منتشر تھے سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور حضرت ابوبکرؓ سے کہا۔ بخاری میں روایت ہے کہ زید بن ثابتؓ نے کہا کہ: ''مجھے ابوبکرؓ نے جنگ یمامہ کے بعد بلوا بھیجا۔ میں آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ عمرؓ بن خطاب ان کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ تو ابوبکرؓ نے فرمایا کہ عمرؓ میرے پاس آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ جنگ یمامہ میں قرآن کے بہت سے قراء شہید ہوئے ہیں اور مجھے خطرہ سا محسوس ہوا ہے کہ اگر اسی طرح دوسری لڑائیوں میں قراء شہید ہوتے رہے تو بہت سا قرآن ہاتھوں سے جاتا رہے گا۔ لہذا میری رائے یہ ہے کہ آپؓ قرآن کو جمع کرنے کا حکم دیں۔ تو میں نے عمرؓ کو جواب دیا کہ ہم اس کام کو کس طرح سرانجام دیں جسے رسول اکرمؐ نے نہیں کیا۔ اس پر عمرؓ نے کہا خدا کی قسم یہ نہایت ضروری اور بہتر کام ہے اور عمرؓ مجھ سے اس معاملہ میں اصرار اور بحث کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے سینے کو اس کام کے لیے کھول دیا اور میری بھی وہی رائے ہوگئی جو عمرؓ کی ہے۔''

پھر زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''تم جوان اور زیرک ہو، ہم تم پر کسی طرح کی تہمت نہیں لگا سکتے۔ نیز تم رسول کریمؐ کے عہد مبارک میں کاتب وحی تھے لہذا تم پورے قرآن کو ایک جگہ جمع کرنے میں لگ جاؤ۔ خدا کی قسم اگر وہ مجھے کسی پہاڑ کو منتقل

کرنے کی تکلیف دیتے تو مجھ پر اس قدر گراں نہ گزرتا جتنا قرآن کے جمع کرنے کی ذمہ داری کا بار گراں جس کا انہوں نے حکم دیا۔ میں نے کہا کہ آپ دونوں کس طرح وہ کام کرنا چاہتے ہیں جسے رسول کریمؐ نے نہیں کیا۔ تو ابوبکرؓ نے فرمایا اللہ کی قسم یہی بہتر ہے۔ پس ابوبکرؓ مجھ سے اصرار اور بحث کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اس کام کے لیے کھول دیا جس کے لیے ابوبکرؓ اور عمرؓ کے سینوں کو کھول دیا تھا۔

چنانچہ میں قرآن کو کھجور کے درختوں کی چھالوں سے اور پتھر کی تختیوں سے اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرتا رہا۔ البتہ سورۃ توبہ کا آخری حصہ مجھے صرف ابوخزیمہؓ انصاری کے پاس سے ملا اور ان کے سوا کسی اور کے پاس وہ مجھے نہ ملا یعنی (لقد جاء کم رسو ل من انفسکم) سے ختم سورہ برات تک پس یہ صحیفے ابوبکرؓ کے پاس ان کی وفات تک رہے پھر عمرؓ کے پاس ان کی وفات تک اور پھر حضرت حفصہؓ کے پاس۔''

(بخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القران شرح ابن حجر عسقلانی جلد۹ ص۸)

حضرت زید بن ثابتؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے حکم پا کر تیزی اور مستعدی سے کام شروع کرایا۔

حضرت ابوبکرؓ کی ہدایت کے مطابق ہر آیت یا چند آیات کو قبول کرنے کے لیے دو گواہوں کی ضرورت تھی۔

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ سے کہا تھا کہ مسجد کے دروازہ پر بیٹھ جایئے اور جو شخص کتاب اللہ کے کسی حصہ پر دو گواہ پیش کرے تو وہ حصہ لکھ لیا کرو۔ (الاتقان ج۱ص۱۰۰)

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ دو گواہوں سے حفظ اور کتابت مراد ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ جب تک دو گواہ نہ لیتے اس وقت تک کسی آیت کو قبول نہ کرتے تھے۔

جمال القراء میں مرقوم ہے کہ اس بات کا مقصد یہ ہے کہ دو گواہ اس بات کی شہادت دیں کہ یہ آیات آپؐ کے سامنے تحریر کی گئی تھیں۔ (الاتقان ج۱ص۱۰۰)

حضرت زید بن ثابتؓ نے جمع و تدوین کا کام ایک سال کی مدت میں مکمل کیا۔

حضرت علیؓ کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ ابوبکرؓ پر رحم فرمائے وہ اولین شخص تھے جنہوں نے قرآن کو کتابی صورت میں جمع کیا۔ (البرہان ج۱ص۲۳۹)

جب قرآن مجید منتشر اجزا سے اوراق میں جمع ہو گیا تو حضرت ابوبکرؓ نے صحابہؓ سے رائے طلب کی کہ اس مجموعہ کا نام کیا رکھا جائے۔ مختلف لوگوں نے مختلف نام تجویز کیے۔ آخر کار مختلف تجاویز کے بعد اس کا نام

مصحف رکھا گیا چنانچہ علامہ سیوطی رقمطراز ہیں:

''حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: اس کا کوئی نام مقرر کیجیے۔ بعض نے ''السفر'' (پیغامات) تجویز کیا۔ آپؓ نے فرمایا یہ یہود کا تجویز کردہ نام ہے۔ بعض اصحاب نے ''المصحف'''' تجویز کیا۔ یہ نام حبشہ میں رائج تھا ۔اسی پر اتفاق ہو گیا۔

حضرت ابوبکرؓ کے جمع کردہ مصحف پر امت کا اجتماع ہو چکا تھا تو اس کے ساتھ اس کی صحت ثابت ہو چکی ہے۔ بعض علماء کا یہ خیال ہے حضرت ابوبکرؓ نے قرآن مجید کو قرأت سبعہ کے مطابق مدون کیا۔ اس اعتبار سے بھی یہ مصحف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جمع شدہ قرآن کے مطابق ہے۔

عہد عثمان غنیؓ 24ھ تا 35ھ

رسول کریمؐ نے سہولت کے لیے عرب کے ہر قبیلہ کو اپنے اپنے لہجہ اور رسم الخط میں پڑھنے اور لکھنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں اختلاف قرأت کی وجہ سے نومسلم عجمیوں میں ایک فتنہ اُٹھ کھڑا ہوا جس کا ذکر احادیث میں آتا ہے۔ حضرت امام بخاری نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے۔

حذیفہ بن الیمانؓ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے آرمینیا کی فتح میں اہل شام کے ساتھ اور آزربائیجان کی فتح میں اہل عراق کے ساتھ جہاد میں شرکت کی تھی۔ وہاں ان دونوں علاقوں کے مسلمانوں کا قرأت قرآن میں اختلاف دیکھ کر گھبرا گئے۔ پس جب وہ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور کہا: اے امیر المومنین! اس امت کی خبر لیجیے۔ قبل اس کے کہ وہ کتاب اللہ میں اسی طرح اختلاف کرنے لگیں جس طرح یہود اور نصاریٰ نے اختلاف کیا تو حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہمارے پاس صحیفے ارسال کر دیں تاکہ ہم ان کی نقلیں مصاحف میں کر لیں پھر آپ کو اصل صحیفے واپس کر دیں گے۔ تو حضرت حفصہؓ نے ان صحیفوں کو حضرت عثمانؓ کی خدمت میں بھیج دیا۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت سعید بن العاصؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن الحارث کو حکم دیا تو ان لوگوں نے اس کو مصاحف میں نقل کیا۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کے سوا بقیہ تینوں قریشی اصحاب سے کہا تھا کہ جب تم لوگ اور زید بن ثابتؓ قرآن کے کسی معاملے میں اختلاف کرو تو اس کو لغت قریش پر لکھنا کیونکہ وہ انہی کی زبان میں نازل ہوا تھا تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ جب اصل مسودات مصاحف میں نقل کر لیے

گئے تو حضرت عثمانؓ نے اصل صحیفوں کو حضرت حفصہؓ کے پاس بھیج دیا اور جو مصاحف نقل کرائے تھے ان سب کا ایک ایک نسخہ مملکت کے ہر علاقے میں بھیج دیا اور حکم دیا کہ اس کے سوا جس صحیفہ یا مصحف میں قرآن لکھا ہوا ہے اسے جلا دیا جائے۔ (صحیح بخاری کتاب فضائل قرآن)

حضرت عثمانؓ نے یہ فیصلہ خود نہیں کیا بلکہ آپ نے کبار صحابہ کا ایک شوریٰ کا اجلاس بلایا اور اس سے فتنے کے سد باب کے لیے رائے طلب کی۔ پورے غور وخوض کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ مصاحف کے چند نسخے لکھوا کر مملکت کے دوسرے شہروں میں بھیجے جائیں اور سرکاری طور پر یہ حکم جاری کر دیا جائے کہ ان مصاحف کے علاوہ دوسرے ناقص صحیفوں پر اعتماد نہ کیا جائے اور قرأت انہی مصاحف کے مطابق کی جائے۔

چنانچہ اس فیصلہ کے تحت ۲۴ھ کے اواخر اور ۲۵ھ کے اوائل میں چار حفاظ پر مشتمل ایک بورڈ تشکیل ہوا جس کے اراکین کا ذکر اوپر کی سطروں میں کیا گیا ہے۔ ان میں اول الذکر انصاری اور بقیہ تینوں قریشی ہیں۔ امام ابن سیرین کی روایت کے مطابق بورڈ کے اراکین کی تعداد بارہ تھی۔ ان اراکین میں حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت مالک بن ابی عاد اور کثیرؓ بن افلح کے نام بھی آتے ہیں۔ بعض روایات میں سعید بن العاص کے بجائے ان کے چچا ابان بن سعید کا نام بھی آتا ہے۔ بعض نے عبداللہ بن الحارث مخزومی کا نام بیان کیا ہے۔ اس بورڈ کے سربراہ حضرت زید بن ثابتؓ اور کاتب سعید بن العاص تھے۔

اعراب ونقاط:

حضرت عثمانؓ کے تیار کردہ نسخے کوفی رسم الخط میں تھے اور ان پر اعراب اور نقاط نہ تھے لیکن عربوں کو ان کو پڑھنے میں کوئی دشواری نہ ہوتی تھی کیونکہ وہ اہل زبان تھے۔ لیکن بعد میں جب فتوحات کی وجہ سے اسلام عرب سے نکل کر عجم کی طرف پھیلا تو عجمیوں کو تلاوت قرآن میں خاصی دقت کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس مشکل کو دور کرنے کے لیے اعراب اور نقاط کی ضرورت محسوس کی گئی۔ حضرت علیؓ کے دور خلافت میں اس کام کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے غور وخوض ہوا اور ان کے ایک شاگرد ابوالاسود الدئلی نے کچھ کام کیا۔ اموی خلیفہ ولید کے دور میں اموی گورنر حجاج بن یوسف نے اعراب اور نقطے لگوائے اور اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ جبکہ بعض اہل علم کے نزدیک اعراب کو آخری شکل عباسی دور میں خلیل بن احمد نے دی۔

قرآن غیر مسلموں کی نظر میں:

سر ولیم میور دیباچہ حیات محمد میں لکھتا ہے:

''اس بات کی تسلی بخش اوقابل اطمینان اندرونی اور بیرونی شہادت موجود ہے کہ قرآن اس وقت بھی ٹھیک اسی شکل میں محفوظ و مامون ہے،جس حالت میں محمدؐ نے اسے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔''

جرمنی کے مشہور مستشرق نولڈ یکی نے لکھا ہے:

یورپ کے جن جن مصنفین نے اب تک اس امر کی زبردست کوشش کی ہے کہ قرآن میں تحریف ثابت کریں۔اپنی سعی اور جدوجہد میں حیرت انگیز طور پر ناکام ثابت ہوئے ہیں۔

معنوی حیثیت:

مسلمانوں نے جس طرح قرآن مجید کے الفاظ اور ترتیب کی حفاظت کی ہے اسی طرح اس مقدس صحیفہ کو معنوی تحریف سے محفوظ رکھا ہے۔ائمہ نے قرآن مجید کی اجمالی مقامات کی تفسیر احادیث نبوی کی مدد سے کی اور قرآن مجید کو تحریف معنوی سے محفوظ رکھا۔متکلمین نے قرآنی تعلیمات کو عقل کے ساتھ تطبیق دے کر فلسفیانہ اعتراضات کے جوابات دیئے۔ (تفہیم القرآن،از غلام رسول،ص ۱۱۲۔۱۲۰)

☆☆☆

تلاوت قرآن
فضائل اور آداب

لفظ قرآن قرأ،یقرا، اقرأ سے ہے جس کے معنی ہیں پڑھنا۔ قرآن سے مراد وہ کتاب ہے جو بار بار پڑھی جائے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ دنیا کی وہ واحد کتاب ہے جو روزانہ سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے۔ قرآن کی متعدد آیات میں میں قرآن کی تلاوت اور پر غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

فَاقْرَءُ وْمَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ.

''پس تم سے جتنا قران آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو''

اس کے ساتھ ساتھ احادیث مبارکہ میں بھی تلاوت قرآن کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے اور باقاعدہ تلاوت قرآن کی ترغیب دی گئی ہے۔ حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔''

اسی طرح ایک اور موقع پر آپؐ نے فرمایا:

جو شخص قرآن کا ایک حرف تلاوت کرے گا اسے دس نیکیوں کا ثواب ملے گا، پھر فرمایا کہ الٓمٓ ایک حرف نہیں بلکہ الف ایک حرف لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے۔'' (ترمذی)

قرآن حکیم اُس معزز اور بابرکت ہستی کا کلام ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ

(الحشر ۵۹: ۲۱)

''اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اتارتے تو تو اسے اللہ کے خوف سے گرا ہوا پھٹا ہوا دیکھتا۔''

ترمذی کی ایک اور روایت میں جسے ابوسعید خدریؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ جس شخص کو قرآن کی مشغولیت کی وجہ سے ذکر کرنے اور دعائیں مانگنے کی فرصت نہیں ملتی میں اس کو سب دعائیں مانگنے والوں سے زیادہ عطا کرتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو سب کلاموں پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کو سب مخلوق پر۔''

دوران تلاوت معنی اور مفہوم پر تدبر اور تفکر کرنا، آیات رحمت پر رحمت اور دعائے مغفرت طلب کرنا اور آیات عذاب اور وعید پر اللہ سے پناہ چاہنا کہ اس کے سوا کوئی چارہ ساز نہیں۔ آیات تحمید وتقدیس پر سبحان اللہ کہے، از خود رونا نہ آئے تو رونے کی سعی کرے کیونکہ یہ مومنین کا وصف ہے۔ مشائخ کرام نے تلاوت قرآن کریم کے چھ آدابِ ظاہری اور چھ باطنی بیان کیے ہیں۔ ظاہری آداب میں (اول) احترام سے باوضو ہو کر قبلہ رو بیٹھنا، (دوم) ترتیل وتجوید سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا، (سوم) رونے کی سعی کرنا، (چہارم) آیاتِ رحمت وعذاب کا حق ادا کرنا، (پنجم) اگر ریا یا کسی کی تکلیف کا اندیشہ نہ ہو تو با آواز بلند تلاوت کرنا اور (ششم) خوش الحانی سے تلاوت کرنا کیونکہ متعدد احادیث میں اس کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ باطنی آداب میں (اول) کلام پاک کی عظمت دل میں رکھنا (یعنی کیسا عظیم کلام ہے)، (دوم) اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کو دل میں رکھنا (یعنی کیسی عظیم المرتبت ہستی کا کلام ہے)، (سوم) دل کو وساوس و خطرات سے پاک رکھنا، (چہارم) معنوں پر تدبر کرنا اور لذت کے ساتھ پڑھنا، (آپؐ نے ایک رات صرف ایک آیت تلاوت کرتے ہوئے گزار دی۔ اسی طرح حضرت سعید بن جبیرؓ نے ایک بار تمام رات اس آیت کو پڑھ کر صبح کر دی۔ ترجمہ: اے مجرمو آج کے دن فرماں برداروں سے الگ ہو جاؤ) (پنجم) جن آیات کی تلاوت کر رہا ہو دل کو ان کا تابع بنائے رکھنا یعنی اگر آیت رحمت زبان پر آئے تو دل سرور محض بن جائے اور آیت عذاب آئے تو دل لرز جائے، اور (ششم) اس طرح متوجہ ہو کر تلاوت کرے کہ گویا اللہ کلام فرما رہے ہیں اور بندہ سن رہا ہے۔

ایسی عظیم اور کریم ہستی کا کلام تلاوت کرنے کے لیے شریعت نے جو فضائل اور آداب مقرر کیے ہیں۔ اس کی مختصراً تفصیل حسب ذیل ہے:۔

ا۔طہارت:

اسلام نے طہارت کو ایمان کی شرط اور نصف ایمان قرار دیا ہے۔قرآن حکیم کی تلاوت کرنے اور ہاتھ لگانے سے پہلے بھی طہارت اور پاکیزگی کا اہتمام انتہائی ضروری ہے۔اگر وضو نہیں تو پہلے اُس کا اہتمام کرنا چاہیے۔غسل کی حاجت ہو تو وہ کر لیا جائے۔چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ.

''اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو نہایت پاک ہیں۔''

۲۔تعوذ اور تسمیّہ:

تلاوت قرآن کی تلاوت کا آغاز تعوذ اور تسمیّہ یعنی **اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم** اور **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم** سے کرنا چاہیے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ایک جگہ خود اس کی ترغیب ان الفاظ میں دی ہے:

فَاِذَا قُرَاتِ الْقُرْاٰنَ فَا سْتَعِذْ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الَّرجِيْم.

''پس جب قرآن پڑھنے لگے تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔''

۳۔ترتیل یعنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا:

قرآن مجید کو جلدی جلدی پڑھنے کی بجائے رک رک کر اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا چاہیے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَرَتِلالْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلا.

''اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔''ترتیل سے مراد یہ ہے کہ قرآنی آیات کے معانی اور مفاہیم پر خوب غور و فکر کیا جائے اور اس کے احکام پر عملدرآمد بھی کیا جائے۔

اَفَلَایَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ، (النساء : ۴: ۸۲)

''پھر کیا وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے،

عبداللہ ابن عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ:''قیامت کے دن صاحب قرآن سے کہا جائے گا کہ قرآن شریف پڑھتا جا اور بہشت کے درجوں پر چڑھتا جا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جیسا کہ تو دنیا میں

ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا تھا۔ پس تیرا مرتبہ وہی ہے جہاں آخری آیت پر پہنچے۔'' (ترمذی، ابوداؤد)

۴۔ حسن نیت:

تلاوت قرآن محض دوسروں کو دکھانے کے لیے نہیں بلکہ خلوص نیت کے ساتھ اس کا التزام کرنا چاہیے کہ یہ بس بابرکت ذات کا کلام ہے اور ہمیشہ اللہ سے حسن نیت کی دعا کرتا رہے کیونکہ یہی قرآن ہے جسے پڑھ کر کچھ لوگ ہدایت حاصل کرتے ہیں اور اسی قرآن سے کچھ لوگ گمراہ ہوتے ہیں۔ اللہ کی توفیق کے بغیر انسان ہدایت حاصل نہیں کر سکتا۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے قرآن پڑھا پھر اس کو یاد کیا اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرما دیں گے اور اس کے گھرانے میں سے ایسے دس آدمیوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول فرمائیں گے جن کے لیے جہنم واجب ہو چکی ہو۔'' (احمد، ترمذی)

۵۔ رموز اوقاف:

علمائے کرام نے تلاوت قرآن کے لیے باضابطہ رموز اوقاف مقرر کیے ہیں۔ ان سے مراد یہ ہے کہ دوران تلاوت کن کن مقامات پر اور کیسے رکا جائے۔ کیونکہ رموز اوقاف کے بغیر تلاوت سے معنی کے کچھ سے کچھ ہونے کا احتمال ہے جو بعض اوقات کفر تک جا پہنچتا ہے۔

۶۔ حسنِ قرآت:

قرآن کریم کی تلاوت کے دوران خوش الحانی اور حسن قرآت تلاوت کا حسن بڑھا دیتی ہے اور پڑھنے اور سننے والے پر ایک ایسا اثر قائم کرتی ہے جس سے تلاوت کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔ اس لیے حسن قرآت سے تلاوت کرنی چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''اپنے لہجہ اور حسن آواز سے قرآن کو آراستہ کرو۔''

نیز فرمایا:

''جو شخص خوش الحانی سے تلاوت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔''

۷۔ جہر و اخفاء:

یہ تلاوت کرنے والے کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ بلند آواز سے تلاوت کرے یا نیچی آواز سے۔ البتہ اس بات کا ضرور خیال رکھنا چاہیے کہ اس سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ ہو۔ جب قرآن پڑھا جا رہا ہو تو دوسرے لوگوں پر اس کا سننا اور خاموش رہنا لازم ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ.

اور جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنو اور خاموش رہا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

۸۔ تدبر و تقویٰ:

قرآن مجید کتاب ہدایت و حکمت ہے اس کا سرسری اور محض ثواب کے لیے پڑھنا کافی نہیں بلکہ اس کو سمجھنا، عمل کرنا، اس کے معانی اور مطالب پر غور و فکر دونوں جہانوں میں انسان کے لیے عزت اور نجات کا باعث ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ حقیقی تقویٰ کے لیے ہر پل مستعد رہنا چاہیے اس لیے کہ قرآن خود اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ هُدًى لِلْمُتَّقِيْنَ یعنی پرہیزگاروں کے لیے ہدایت ہے۔

۹۔ با قاعدہ تلاوت:

قرآن کریم کی با قاعدہ اور روزانہ تلاوت کا اہتمام کرنا چاہیے اس لیے کہ قرآن یا تو انسان کے حق میں حجت ہے یا انسان کے خلاف حجت۔ اس کی با قاعدہ تلاوت ہی دو جہان میں انسان کے لیے ہدایت اور نجات کا باعث ہے اور اس سے روگردانی ابدی خسارہ۔ تلاوت بے شک کم ہی ہو لیکن اتنی ضرور ہو جو آسانی سے با قاعدہ ہو سکے۔ سال میں کم از کم دو مرتبہ قرآن ضرور ختم کرنا چاہیے۔

جس طرح قرآن کی تلاوت کے متعلق بہت سے فضائل بیان کیے گئے ہیں اسی طرح اس سے روگردانی پر شدید وعیدیں بھی آئی ہیں۔ چنانچہ معراج کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف سزاؤں کا احوال دکھایا گیا ان میں سے ایک بخاری شریف کی وہ طویل روایت ہے، جس میں سے مختصراً یہ ہے کہ ایک ایسے شخص کو آپؐ نے دیکھا جس کے سر کو پتھر سے کچلا جا تا تھا۔ آپؐ کے دریافت فرمانے پر آپؐ کو بتایا گیا کہ اس شخص کو اللہ کا کلام سکھایا گیا تھا مگر یہ رات کو اس کی تلاوت کرتا نہ دن کو اس پر عمل کرتا لہٰذا قیامت تک اس کے ساتھ ایسا ہی ہوگا۔

ابن حبان والحاکم میں حضرت جابرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ: ’’قرآن پاک ایسا شفیع ہے جس کی شفاعت قبول کی گئی اور ایسا جھگڑالو ہے جس کا جھگڑا تسلیم کرلیا گیا۔ جو شخص اس کو اپنے آگے رکھے اس کو یہ جنت کی طرف کھینچتا ہے اور جو اسے پس پشت ڈال دے اسے جہنم میں گرادیتا ہے۔‘‘

۱۰۔ دعا:

تلاوت قرآن کے بعد دعا اور مناجات کا اہتمام انسان کے لیے بہت فائدے کا باعث ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبولیت دعا کے جو اوقات بیان فرمائے ہیں ان میں سے ایک بعد تلاوت قرآن اور خاص طور پر ختم قرآن ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ جس شخص کو قرآن کی مشغولیت کی وجہ سے ذکر کرنے اور دعائیں مانگنے کی فرصت نہیں ملتی میں اس کو سب دعائیں مانگنے والوں سے زیادہ عطا کرتا ہوں۔

مختصراً یہ کہ قرآن کریم وہ منبع رشد و ہدایت ہے جس کی جہاں تلاوت بے شمار دینی اور دنیاوی فضائل و برکات کا باعث ہے وہاں یہ ایک ایسا کامل ضابطہ حیات بھی ہے جس پر عمل پیرا ہو کر ہم اپنی دینی اور دنیاوی زندگی میں سرخرو ہو سکتے ہیں۔ لہذا ایک مسلمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ حتی الامکان اس کی تلاوت اور ترویج کا اہتمام کرتا رہے تبھی صحیح معنوں میں ایک ایسے صالح معاشرے کی تشکیل ہو سکتی ہے جس کی تکمیل کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تھے۔

☆☆☆

اعجازِ قرآن

اعجازِ کا لفظ معجزہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی عاجز اور لا جواب کر دینے والی چیز کے ہیں ۔ معجزہ وہ فعل ہے جسے کوئی دوسرا نہ کر سکے ۔ انبیاء کو معجزے اسی لیے عطا ہوئے ۔ قرآن بھی اللہ تعالیٰ کا زندہ معجزہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا ۔

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور بنی نوع انسان کے لیے تا قیامت کتاب ہدایت ہے ۔ یہ اسلامی قانون کا اولین ماخذ اور شریعت کا سرچشمہ ہے ۔ اس کے بعد قیامت تک کوئی اور کتاب آنے والی نہیں ۔ اس لحاظ سے یہ دنیا کی عظیم ترین کتاب ہے اور دنیا کی عظیم ترین کتاب ہونے کا تقاضا ہے کہ اس میں ایسی عظیم اور بلند خصوصیات پائی جائیں جو اسے معجزانہ کلام کے درجے تک پہنچا دیں ۔ قرآن حکیم میں واقعی ایسی خصوصیات موجود ہیں جو اسے معجزہ بناتی ہیں ۔

چند ایک خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں :۔

۱۔ بے مثل کتاب :

قرآن حکیم دنیا کی واحد کتاب ہے جس نے خود یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ بے مثل اور لا ریب کتاب ہے ۔ اس کا یہ دعویٰ اس کی حقانیت کا بہت بڑا ثبوت ہے ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

ذَلِکَ الْکِتَابُ لَارَیْبَ فِیْہِ. (البقرۃ:۲)

یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں ۔

ایک اور مقام پر قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے :

ترجمہ : کہہ دیجیے کہ اگر انسان اور جن جمع ہو جائیں اور کوشش کریں کہ اس قرآن کی مثل بنا لائیں تو

وہ ہرگز اس کی مثل نہ بناسکیں گے۔خواہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔(بنی اسرائیل:۱۷:۱۸)

۲۔علم وحکمت کا خزانہ:

قرآن حکیم علم وحکمت کا خزانہ ہے۔ یہ قرآن کا علمی اعجاز ہے اس کو مزید چار عنوانات کے ساتھ بیان کیا جاسکتا ہے:۔

اول: روحانی علوم: توحید باری تعالیٰ، وجود وصفت الٰہی تعلق باللہ، ملائکہ کا علم، مبداء ومعاد کا علم، اخلاق فاضلہ کا علم اور عبادات کا علم۔

دوم: معاشرتی علوم: علم سیاسیات، عمرانیات، علم الاقتصاد، علم قانون، علم تاریخ، علم ہندسہ، علم مناظرہ وغیرہ

سوم: سائنسی علوم: جن میں کیمیا، علم طبعیات، علم نباتات، علم حیوانات، علوم طبقات الارض، علم الجبال، علم ہیت اور علم طبابت وغیرہ۔

چہارم: علوم لسانیہ: علم صرف ونحو، علم معانی، علم بیان وغیرہ شامل ہیں۔

ارشادالٰہی ہے:

ترجمہ: اور نہ تر اور نہ نہ خشک مگر وہ ایک کھلی کتاب ہے۔ (الانعام:۶:۵۹)

۳۔کتاب ہدایت وحکمت:

قرآن کریم کا ایک ایک لفظ ہدایت اور حکمت کا سر چشمہ ہے۔اس نے بھٹکی ہوئی انسانیت کو عزت کے مرتبے پر سرفراز کیا۔نزول قرآن سے قبل اہل عرب جس طرح سرکشی اور گمراہی میں مبتلا تھے ان سے نجات ممکن نہ تھی مگر یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ اس نے اُن گمراہ لوگوں کو ہدایت کے راستے پر لا کھڑا کیا۔سورۃ یونس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَاَيُّهَاالنَّاسُ قَدْجَآءَ تْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِمَافِىْ الصُّدُوْرِ، وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ. (یونس:۵۷)

''لوگوتمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آگئی ہے یہ وہ چیز ہے جو دلوں کے امراض کی شفا ہے اور جو اسے قبول کرلیں ان کے لیے راہنمائی اور رحمت ہے۔''

معروف انگریز مصنف ٹامس کارلائل اپنی کتاب ''لیکچرز آن ہیروز'' میں لکھتا ہے ''اسلام قوم عرب کے حق میں گویا تاریکی میں روشنی کا آنا تھا۔عرب کا ملک پہلے پہل اس کے ذریعے سے زندہ ہوا۔''

۴۔محفوظ کتاب:

قرآن کریم دنیا کی وہ واحد کتاب ہے جس کے الفاظ اور معانی ومفاہیم میں کسی طرح کا کوئی ردو بدل نہیں ۔ پوری تاریخ انسانی میں ایسی کوئی دوسری کتاب نہیں جو یہ دعویٰ کر سکے کہ وہ تحریف وردو بدل سے پاک ہے۔جبکہ اس کے برعکس قرآن میں خود اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت بیان کرتا ہے:

اِنَّانَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ. (الحجر : ۹)

ہم نے ہی اس مقدس ذکر (قرآن) کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ قرآن یہ دعویٰ بھی کرتا ہے:

وَاِنَّہٗ لَکِتٰبٌ عَزِیۡزٌ. لَّا یَاۡتِیۡہِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَلَا مِنۡ خَلۡفِہٖ.

(سورۃ حم السجدۃ: ۴۱: ۴۲)

مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک زبردست کتاب ہے باطل نہ سامنے سے اس پر آسکتا ہے نہ پیچھے سے

معروف مستشرق سرولیم میور اپنی کتاب لائف آف محمد ۲۵ کے دیباچہ میں لکھتا ہے: ''اس بات کی تسلی بخش اور قابل اطمینان اندرونی اور بیرونی شہادت موجود ہے کہ قرآن اس بھی ٹھیک اسی شکل میں محفوظ اور مامون تھا جس حالت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔''

۵۔فصاحت وبلاغت:

قرآن حکیم اپنی فصاحت و بلاغت میں بھی معجزانہ انداز و اسلوب کا حامل ہے ۔اس کا اعتراف مسلمان اور غیر مسلم ہر ایک نے کیا ہے۔نزول قرآن کے وقت عرب میں بے شمار فصیح و بلیغ ادباء وشعراء موجود تھے جن کی زبان آوری مسلمہ تھی مگر جب قرآن کا نزول شروع ہوا تو ان کی یہ فصاحت وبلاغت کچھ کام نہ آسکی۔ لبید عرب کا مشہور شاعر تھا جس کا کلام سات مشہور قصائد میں شامل تھا جو خانہ کعبہ میں آویزاں تھے۔ جب اس نے قرآن سنا تو شعر کہنا ترک کردیے کہ قرآن کے سامنے اس کی شاعری ہیچ ہے۔

جارج سیل لکھتا ہے: '' قرآن کریم بے شبہ عربی زبان کی سب سے بہتر اور سب سے مستند کتاب

ہے۔ کسی انسان کا قلم ایسی معجزانہ کتاب نہیں لکھ سکتا اور یہ مُردوں کو زندہ کرنے سے بڑا معجزہ ہے۔''

ڈاکٹر موریس فرانسیسی لکھتا ہے: ''قرآن کی سب سے بڑی تعریف اس کی فصاحت و بلاغت ہے۔ مقاصد کی خوبی اور مطالب کی خوش اسلوبی کے اعتبار سے قرآن کو تمام آسمانی کتابوں پر فوقیت ہے۔''

۶۔ قوت و تاثیر:

قرآن مجید کے الفاظ اور آیات میں ایسی زبردست قوت و تاثیر ہے جس نے سخت سے سخت دلوں کو بھی موم کر دیا۔ حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کا واقعہ اس کی زندہ مثال ہے کہ وہ گھر سے تو نعوذ باللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادہ سے نکلتے ہیں لیکن جب اپنی بہن کے گھر قرآن کی چند آیات سنتے ہیں تو دل کی دنیا بدل جاتی ہے اور فوراً دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں۔

قرآن کی قوت و تاثیر کا اس سے بڑھ کر اور کیا اعجاز ہو سکتا ہے کہ انسان تو انسان جن بھی جب کلام الٰہی سنتے ہیں تو ایمان لے آتے ہیں۔

خالدؓ بن عتبہ، حضرت عثمانؓ بن مظعون، حضرت طفیلؓ اور بے شمار دوسرے ایسے صحابہ کرام تھے جنہوں نے قرآن کریم کی چند آیات سن کر اسلام قبول کر لیا۔

قرآن کی اسی قوت و تاثیر سے ڈر کر مخالفین لوگوں کو قرآن سننے سے روکتے اور یہ کہتے کہ جب کوئی مسلمان قرآن سنانے لگے تو شور کرو۔

۷۔ اختلافات سے پاک:

قرآن مجید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تقریباً ۲۳ سال کے عرصہ میں نازل ہوا۔ بوقت ضرورت آیات نازل ہوتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کفار و منافقین سے تھا جو دشمنی اور سازشوں پر ڈٹے ہوئے تھے۔ کیا ایسا ممکن ہو سکتا ہے کہ ان کٹھن حالات میں ایسا کوئی کلام ہو جو ایک ہی حالت پر قائم رہے اور اختلافات سے پاک ہو۔ یہ انسانی طاقت سے باہر ہے۔ ہاں ایسی علیم و خبیر ہستی کا کلام ضرور ہو سکتا ہے جو ارفع و اعلیٰ ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ، وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِغَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا.

(النساء : ۴: ۸۲)

''پھر کیا وہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے، اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں ضرور اختلاف پاتے۔

۸۔غیب کی خبریں:

قرآن مجید غیب کی خبروں سے بھرا ہوا ہے۔ان میں سے بعض وہ خبریں ہیں جن کا تعلق ماضی سے ہے اور بعض ایسی ہیں جو مستقبل سے متعلق ہیں۔اس طرح کی خبریں یقیناً ایسی ہستی کی طرف سے ہیں جو علیم و خبیر ہے اور اس نے نبیؐ کو بذریعہ وحی ان واقعات سے آگاہ کیا۔

بائبل کی تحریف:

قرآن نے بائبل میں تحریف کا دعویٰ اس وقت کیا جب دنیا اس علمی حقیقت سے آگاہ نہ تھی۔

ترجمہ: ''پس کیا تم امید رکھتے ہو کہ وہ تمہاری مان لیں گے اور ان میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اللہ کے کلام کو سنتا ہے، پھر سمجھے لینے کے بعد اس کو بدل دیتا ہے، حالانکہ وہ جانتا ہے۔''

(البقرۃ:۲:۵۲)

آج اس علمی حقیقت کا اعتراف بہت سے عیسائی مورخ بھی کر رہے ہیں۔

فرعون کی لاش:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ جس فرعون سے تھا اس کا نام رعمسیس ثانی تھا۔قرآن مجید نے فرعون کی لاش سے متعلق خبر دی کہ وہ موجود ہے۔یہ بات نزول قرآن کے وقت کی ہے:

فَالْيَومَ نُنَجِّيكَ بِبَدنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ ايَةً. (یونس:۹۲)

اب تو ہم صرف تیری لاش ہی کو بچائیں گے تا کہ تو بعد کی نسلوں کے لیے نشانِ عبرت بنے۔

بہت بعد میں فرعون کی لاش محفوظ مل گئی اور تحقیق سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ اُسی فرعون کی لاش ہے جس نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مقابلہ کیا اور غرق ہوا۔یہ بات کسی طرح بھی معجزے سے کم نہیں۔

اس طرح قرآن نے بہت سی پیش گوئیاں بھی کیں جو بعد میں حرف بہ حرف پوری ہوئیں۔نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مکی دور میں روم اور ایران کے درمیان ہونے والی جنگ میں ایرانی غالب آئے۔ قرآن نے پیش گوئی کی:

غُلِبَتِ الرُّوۡمُ. فِیۡ اَدۡنیٰ الۡاَرۡض وَهُمۡ مِنۡ بَعۡدِ غَلَبِهِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ.

رومی مغلوب ہوئے قریب کی سرزمین میں اور اس مغلوبیت کے بعد چند سال میں غالب آ جائیں گے۔ (الروم:۲،۳،۴)

یہ پیش گوئی بھی چند سال بعد پوری ہوگئی جو قرآن کے دعوے کی عملی دلیل ہے اور سراسر معجزہ ہے۔

۹۔ عالمگیر کتاب:

جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے لیے رسول بنا کر مبعوث فرمایا

وَمَا اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَت لِّلۡعَالَمِیۡن.

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے جو کتاب عطا کی گئی وہ بھی تمام جہانوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے ہے۔ اس طرح یہ ایک ایسی عالمگیر کتاب ہے جس کے مخاطب صرف اس وقت کی عرب قومیت نہیں تھی بلکہ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے یہ ہدایت اور راہنمائی کا ذریعہ ہے۔

۱۰۔ زندہ زبان:

قرآن سے پہلے اللہ تعالیٰ نے دوسری اقوام پر جو کتابیں نازل کیں اُن میں سے زیادہ تر کی زبان عبرانی اور آرامی تھی جو کہ اب کہیں بولی نہیں جاتیں۔ اسی طرح تورات، زبور اور انجیل جو اُن زبانوں میں نازل ہوئیں آج اُن زبانوں میں موجود نہیں بلکہ اُن کے تراجم مختلف زبانوں میں ہوئے جو آج موجود ہیں۔ لہذا ان میں ردوبدل لازم اور فطری ہے۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے قرآن کو عربی مبین میں نازل کیا۔ جو اس وقت دنیا کے بہت سے ممالک کی قومی زبان ہے۔ جبکہ دنیا بھر میں عربی بولنے، سمجھنے، پڑھنے اور لکھنے والوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔ یہ بھی قرآن کا اعجاز ہے کہ اس کی زبان متروک نہیں ہوئی بلکہ دنیا بھر میں رائج ہے۔

۱۱۔ حفظ کے لیے آسان:

دنیا کی کسی بھی زبان کا کوئی بھی موضوع لے لیا جائے اس کو یاد کرنے کے لیے بہت محنت اور مشقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے باوجود وہ چیز حرف بہ حرف یاد نہیں ہوسکتی۔ اس کے برعکس قرآن کو اللہ تعالیٰ نے حفظ کے لیے اتنا آسان کر دیا ہے کہ ایک چھوٹا سا بچہ معمولی سی کوشش کے ساتھ بہت تھوڑے عرصہ

میں پورا قرآن حرف بہ حرف یاد کر لیتا ہے۔ یہ صورت کسی اور کتاب کو میسر نہیں۔ دنیا بھر میں حفاظ قرآن کی تعداد کروڑوں میں ہے جن کے سینے قرآن سے منور ہیں۔ یہ قرآن کا بہت بڑا معجزہ ہے۔

مختصراً یہ کہ قرآن کریم اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ اپنے نزول سے لے کر آج تک بلکہ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے نہ صرف کتاب ہدایت وحکمت ہے بلکہ وہ معجزہ ہے جس کو مخالفین اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود جھٹلا یا تحریف ثابت نہیں کر سکے ہیں جو کہ اس کا سب سے بڑا اعجاز ہے۔

☆☆☆

رموز اوقاف قرآن مجید

''کسی بھی زبان کے اہل زبان جب ملتے ہیں اور آپس میں باہم گفتگو کرتے ہیں تو دوران گفتگو کہیں ٹھہر جاتے ہیں، کہیں نہیں ٹھہرتے۔ کہیں کم ٹھہرتے ہیں، کہیں زیادہ۔ اس ٹھہرنے اور نہ ٹھہرنے کو بات کے صحیح بیان کرنے اور اس کا صحیح مطلب سمجھنے میں بہت دخل ہے۔ قرآن مجید کی آیات اور عبارت بھی گفتگو کے انداز میں واقع ہوئی ہے۔ اسی لیے اہل علم نے دوران تلاوت اس کے ٹھہرنے اور نہ ٹھہرنے کی علامتیں مقرر کر دی ہیں، جن کو رموز اوقاف قرآن مجید کہتے ہیں، قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان رموز اوقاف کی پابندی رکھیں اور اس کا استعمال ملحوظ رکھیں۔ رموز اوقاف یہ ہیں:

O جہاں بات پوری ہو جاتی ہے، وہاں چھوٹا سا دائرہ لگا دیتے ہیں۔ یہ حقیقت میں گول (ت) جو بصورت (ۃ) لکھی جاتی ہے اور یہ وقف تام کی علامت ہے یعنی اس پر ٹھہرنا چاہیے۔ اب (ۃ) تو نہیں لکھی جاتی چھوٹا سا دائرہ ڈال دیا جاتا ہے۔ اس کو آیت کہتے ہیں، دائرہ پر اگر کوئی اور علامت نہ ہو تو رک جائیں ورنہ علامت کے مطابق عمل کریں۔

ۃ یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس موقع پر غیر کوفین کے نزدیک آیت ہے، وقف کریں تو عادہ کی ضرورت نہیں۔ اس کا حکم بھی وہی ہے جو دائرہ کا ہے۔

م یہ علامت وقف لازم کی ہے۔ اس پر ضرور ٹھہرنا چاہیے، اگر نہ ٹھہرا جائے تو احتمال ہے کہ مطلب کچھ کا کچھ ہو جائے۔ اس کی مثال اردو میں یوں سمجھنی چاہیے کہ مثلاً کسی کو یہ کہنا ہو کہ ''اُٹھو، مت بیٹھو'' جس میں اُٹھنے کا امر اور بیٹھنے کی نہی ہے۔ تو اُٹھو پر ٹھہرنا لازم ہے، اگر ٹھہرا نہ جائے تو ''اُٹھو مت، بیٹھو'' ہو جائے گا۔ جس میں اُٹھنے کی نہیں اور بیٹھنے کے امر کا احتمال ہے اور یہ قائل کے مطلب کے خلاف ہو جائے گا۔

ط وقف مطلق کی علامت ہے۔ اس پر ٹھہرنا چاہیے۔ یہ علامت وہاں ہوتی ہے جہاں مطلب تمام نہیں

ہوتا اور بات کہنے والا ابھی کچھ اور کہنا چاہتا ہے۔

ج وقف جائز کی علامت ہے، یہاں ٹھہرنا بہتر اور نہ ٹھہرنا جائز ہے۔

ز علامت وقف مجوّز کی ہے، یہاں نہ ٹھہرنا بہتر ہے۔

ص علامت وقف مرخص کی ہے۔ یہاں ملا کر پڑھنا چاہیے لیکن اگر کوئی تھک کر ٹھہر جائے تو رخصت ہے، معلوم رہے کہ (ص) پر ملا کر پڑھنا (ز) کی نسبت زیادہ ترجیح رکھتا ہے۔

صلے الوصل اولیٰ کا اختصار ہے، یہاں ملا کر پڑھنا بہتر ہے۔

ق قیل علیہ الوقف کا خلاصہ ہے، یہاں ٹھہرنا نہیں چاہیے۔

صل قَدیُوصَلُ کا مخفف ہے یہاں ٹھہرا بھی جا سکتا ہے اور کبھی نہیں، بوقت ضرورت وقف کر سکتے ہیں۔

قف یہ لفظ قف ہے، جس کے معنی ہیں ٹھہر جاؤ، اور یہ علامت وہاں استعمال کی جاتی ہے، جہاں پڑھنے والے کے ملا کر پڑھنے کا احتمال ہو۔

سکتہ سکتہ کی علامت ہے۔ یہاں کسی قدر ٹھہر جانا چاہیے مگر سانس نہ ٹوٹنے پائے۔

وقفہ لمبے سکتہ کی علامت ہے یہاں سکتہ کی نسبت زیادہ ٹھہرنا چاہیے لیکن سانس نہ توڑیں۔ سکتہ اور وقفہ میں یہ فرق ہے کہ سکتہ میں کم ٹھہرنا ہوتا ہے، وقفہ میں زیادہ۔

لا لا کے معنی نہیں کے ہیں۔ یہ علامت کہیں آیت کے اوپر استعمال کی جاتی ہے اور کہیں عبارت کے اندر۔ عبارت کے اندر ہو تو ہرگز نہیں ٹھہرنا چاہیے، آیت کے اوپر ہو تو اختلاف ہے، بعض کے نزدیک ٹھہر جانا چاہیے بعض کے نزدیک نہیں ٹھہرنا چاہیے لیکن ٹھہرا جائے یا نہ ٹھہرا جائے اس سے مطلب میں خلل واقع نہیں ہوتا۔

ک کذلک کا مخفف ہے، اس سے مراد ہے کہ جو رمز اس سے پہلے والی آیت میں آ چکی ہے، اس کا حکم اس پر بھی ہے۔

... ... یہ تین نکات والے دو وقف قریب قریب آتے ہیں، ان کو معانقہ کہتے ہیں، کبھی اس کو مختصر کر کے (مع) لکھ دیتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ دونوں وقف گویا معانقہ کر رہے ہیں۔ ان کا حکم یہ ہے کہ ان میں سے ایک پر ٹھہرنا چاہیے دوسرے پر نہیں ٹھہرنا چاہیے۔ ہاں وقف کرنے میں رموز کی قوت اور ضعف کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔'' (تفسیر عثمانی، معارف القرآن)

☆☆☆

تفسیر اور تاویل

تفسیر کے لفظی معنی:

لفظ تفسیر کا مادہ فَسَـرَ ہے جس کے معنی کھولنا، واضح کرنا، ظاہر کرنا، کسی لفظ کے معنی اور مفہوم کو عیاں کرنا اور بیان کرنا کے ہیں۔ لفظ تفسیر قواعد کی رو سے مصدر ہے جس کے معنی ہیں کسی بیان کو ظاہر کرنا، پردہ ہٹانا، تفصیل سے بیان کرنا۔ عام طور پر کسی بیان یا عبارت کو وضاحت سے بیان کرنا تفسیر کہلاتا ہے۔ تفسیر میں الفاظ کے معنی اور مفہوم کو چونکہ کھولا اور فاش کیا جاتا ہے اس لیے یہ عمل تفسیر کہلاتا ہے۔ قرآن مجید میں تفسیر کا لفظ اللہ تعالیٰ نے یوں بیان کیا ہے:

وَلَا يَاتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا .

''اور (مشرکین) آپ کے پاس کوئی مثال نہیں لاتے مگر ہم آپ کے پاس سچا اور سیدھا جواب لاتے ہیں جو بیان کے لحاظ سے بہتر اور مفصل ہے۔ (الفرقان:۳۳)

اصطلاحی معنی:

علم تفسیر علوم شرعیہ کا ایک باقاعدہ شعبہ ہے اس حوالے سے مفسرین نے علم تفسیر کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ شرعی اصطلاح میں قرآنی آیات کے مفہوم کو وضاحت سے بیان کرنا تفسیر کہلاتا ہے۔

تفسیر کی اس کے علاوہ بھی بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

امام زرکشیؒ کے نزدیک:

''تفسیر ایک ایسا علم ہے جس کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ کتاب کے معانی سمجھے جاتے ہیں اور اس کتاب کے احکام و مسائل اور اسرار و حکم سے بحث کی جاتی ہے۔''

الاتقان میں مرقوم ہے کہ:

''تفسیر ایک ایسا علم ہے جس میں قرآنی آیات کے نزول ان کے واقعات متعلقہ و اسباب نزول نیز مکی و مدنی، محکم و متشابہ، ناسخ و منسوخ، عام و مطلق، مقید و مجمل، حلال و حرام، وعد و وعید، امر و نہی اور عبرت و امثال سے بحث کی جاتی ہے۔''

ابوحیان کہتے ہیں:

''تفسیر ایک ایسا علم ہے جس میں قرآنی الفاظ کے تلفظ، ان کے مفہوم و مدلول، ان کے افرادی و ترکیبی اور ان معانی سے بحث کی جاتی ہے جن کے حالت ترکیب میں وہ حامل ہوتے ہیں۔''

تاویل کے معنی

لفظ تاویل کا مادہ ''آل'' ہے اور اس کا مترادف ''اولا'' یا ''مآلا'' ہے اور اس کے معانی ہیں لوٹنا، رجوع کرنا۔ اسی مادے سے ایک لفظ ''تاول'' بنا ہے جس کا مفہوم ہے تاویل یعنی تفسیر کرنا (تاول الکلام) کسی کلام یا بات کی وضاحت کرنا، چنانچہ (تاویل الکلام) بھی کسی بات کی وضاحت کرنے کو کہتے ہیں۔

لفظ تاویل اس کے علاوہ بھی کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے جیسے خواب کی تعبیر کرنا، بچاؤ کی دلیل، ظاہری مطلب سے کسی بات کو پھیر دینا، حیلہ شرعی وغیرہ۔

علماء کے نزدیک تاویل کرنے والا شخص کلام کے متعدد معنوں میں سے کسی ایک کی جانب لوٹا دیتا ہے۔ اگرچہ احتمال تمام معنوں کا ہوتا ہے مگر وہ ان میں سے صرف ایک معنی مراد لیتا ہے۔ معانی لوٹانے کے باعث یہ عمل تاویل کہلاتا ہے۔

قرآن میں لفظ ''تاویل'' کئی جگہوں پر استعمال ہوا ہے جیسے سورۃ آل عمران، سورۃ النساء، سورۃ یوسف، سورۃ الاعراف، سورۃ یوسف اور سورۃ کہف وغیرہ اور یہ لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے جیسے:

سورۃ آل عمران میں ''**وابتغآء تاويله**'' میں لفظ تاویل کے معانی تفسیر ہیں۔

سورۃ النساء میں ''**احسن تاويله**'' سے مراد انجام اور نتیجہ کے ہیں۔

سورۃ یوسف میں لفظ تاویل سے مراد خواب کی تعبیر کرنا کے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ.

اوراسی طرح تمہارا پروردگار تم کو چن لے گا اور تم کو سکھائے گا خوابوں کی تعبیر۔(یوسف:٦)

اصطلاحی معنی:

تاویل کے اصطلاحی معنی ہیں کلام کے معنی کو واضح کرنا خواہ وہ کلام کے موافق ہوں یا مخالف۔مختلف علمائے کرام کی تاویل کے متعلق رائے یہ ہے کہ:

- اگر کسی دلیل کی بنیاد پر ایک لفظ کے راجح معنوں کو ترک کر کے مرجوع معنی مراد لیے جائیں تو اس کو تاویل کہتے ہیں۔
- ظاہر معنوں کو ترک کر کے مرجوع معنی مراد لینا ''تاویل'' کہلاتا ہے۔
- اگر کلام کسی یا خبر پر مشتمل ہو تو جو فعل مطلوب ہے یا جو خبر دی جارہی ہے وہی اس کی تاویل ہے۔
- کسی کلام سے جو مفہوم ومقصود ہے وہی تاویل ہے۔

تفسیر اور تاویل میں فرق:

تفسیر اور تاویل کو مترادف معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے تاہم ان دونوں الفاظ کے معنوں میں علماء کے درمیان فرق ہے۔اختلافی آرا درج ذیل ہیں:

- معالم التنزیل میں بیان کیا گیا ہے کہ:

تاویل کے معنی ہیں آیت سے ایسا مفہوم مراد لینا جس کی اس میں گنجائش ہو۔وہ مفہوم آیت کے سیاق وسباق سے ہم آہنگ ہو اور کتاب وسنت کے خلاف نہ ہو۔بخلاف ازیں کسی آیت کے شان نزول اور واقعہ متعلقہ کے ذکر و بیان کو تفسیر کہتے ہیں۔

- الاتقان میں بیان کیا گیا ہے کہ:

تفسیر کے معنی قطعیت و یقین کے ساتھ یہ کہنا ہے کہ اس لفظ کے یہی معنی ہیں اور خدا تعالیٰ نے یہی مفہوم لیا ہے۔اس کے برعکس ایک لفظ میں جن مختلف معانی کا احتمال پایا جاتا ہو اس میں سے ایک کو ترجیح دینے کا نام تاویل ہے۔اس میں قطع و یقین کا ہونا ضروری نہیں۔

- اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ بیان ہے کہ:

بعض علماء کے نزدیک تفسیر کا تعلق روایت کے ساتھ ہوتا ہے اور تاویل کا درایت کے ساتھ۔

- امام راغب اصفہانی کے نزدیک:

تفسیر کے لفظ میں تاویل کی نسبت زیادہ عموم پایا جاتا ہے۔تفسیر کا لفظ عموماً الفاظ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور تاویل معنی کے لیے۔مثلاً خواب کی تعبیر کو ''تاویل الرویا'' کہتے ہیں۔علاوہ ازیں تاویل کا لفظ کتب مقدسہ کے لیے بولا جاتا ہے۔اسی طرح تفسیر کا لفظ زیادہ تر الفاظ مفردہ کے ضمن میں بولا جاتا ہے اور تاویل جملوں اور مرکبات کے دوران مزید براں تفسیر کا لفظ،الفاظ نادرہ غریبہ کی شرح وتوضیح کے لیے بولا جاتا ہے۔

- امام زرکشی کی رائے ہے کہ:

علماء نے تفسیر و تاویل کے مابین جس فرق و امتیاز کو ملحوظ رکھا ہے اس کا سبب یہی ہے کہ تفسیر میں منقولات پر اعتماد کیا جاتا ہے اور تاویل کا مدار وانحصار استنباط پر ہوتا ہے۔

- بالعموم تفسیر کو یقینی اور قطعی خیال کیا جاتا ہے جبکہ تاویل میں ناموافق معانی کا احتمال ہونے کی وجہ سے مشکوک سمجھا جاتا ہے۔

- بعض مفسرین کے نزدیک:

ترتیب عبارت سے جو مفہوم مستفاد ہو اس کے بیان کو ''تفسیر'' کہتے ہیں۔اس کے برعکس عبارت سے جو مفہوم اشارتاً معلوم ہوتا ہے۔اس کے کشف و اظہار کا نام ''تاویل'' ہے۔
(تفہیم القرآن)

تفسیر کی ضرورت واہمیت

قرآن مجید کلام الہی ہے جو اس نے حبیب کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کم وبیش تیئس سال کے عرصہ میں نازل کیا۔ آپؐ کا معمول تھا کہ آپؐ نازل شدہ آیات کی تعلیم وتربیت خود صحابہ کو فرماتے۔ اس حوالے سے اگر دیکھا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت ایک مفسر اور شارح قرآن کی بھی ہے۔ قرآن کی ضرورت واہمیت مندرجہ ذیل ہے:

ا۔ تفسیر کی ضرورت واہمیت قرآن کی نظر میں:

قرآن مجید کی آیات پر اگر غور وفکر کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ قرآن حکیم کی تشریح وتفسیر سب سے پہلے خود نبیؐ نے فرمائی ہے۔ اس حوالہ سے اگر دیکھا جائے تو آپؐ خود مفسر اور شارح قرآن ہیں۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ . (آل عمران:۱۶۴)

''یقیناً اللہ نے مومنوں پر احسان کیا جب ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔''

اس آیت میں آپؐ سے متعلق چار باتیں بیان کی گئی ہیں جن میں سے ایک یعلمھم الکتاب یعنی کتاب وحکمت کی تعلیم دینا بھی ہے۔ تعلیم صرف الفاظ کے پڑھنے اور یاد کرنے کا نام نہیں بلکہ تشریح اور تفسیر بھی ہے۔ ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد ہوا:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّا سِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ .

(النحل: ۴۴)

''اور ہم نے تیری طرف ذکر بھیجا ہے تاکہ تو لوگوں کے لیے کھول کر بیان کردے جو ان کی طرف اتارا گیا ہے اور تاکہ وہ فکر سے کام لیں۔''

تبین الکلام تشریح و تفسیر کا دوسرا نام ہے۔

۲۔ تفسیر کی ضرورت و اہمیت حدیث کی نظر میں:

جب یہ بات طے ہوگئی کہ آپ خود قرآن کے پہلے مفسر اور شارح ہیں تو پھر اس بات میں کوئی شک نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن کی عملی تفسیر ہے۔ آپ کے اقوال، افعال اور تقاریر قرآنی تعلیمات کے عکاس ہیں۔ اس بات کو اگر یوں بیان کیا جائے کہ قرآن اجمالاً تمام چیزوں سے متعلق عنوانات قائم کرتا ہے اور حدیث اس کی تشریح و توضیح تو کوئی مبالغہ نہیں۔

نماز، روزہ، زکواۃ، حج کے متعلق قرآن نے مختصراً بیان کیا ہے۔ لیکن ان عبادات کی مکمل تعلیمات اور تفصیلات آپ کی زندگی سے ہی مل سکتی ہیں۔

حضرت ضحاک حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ رسول کریمؐ نے ارشاد فرمایا: ''**یوتی الحکمة**'' سے مراد قرآن کا عطا کرنا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا قرآن کا عطا کرنا سے مراد قرآن کی تفسیر ہے کیونکہ پڑھنے کو تو نیک و بد سبھی پڑھتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ سے جب ایک شخص نے آپ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا تو آپؓ کا جواب تھا کہ آپ کے اخلاق قرآن کی عملی تفسیر ہیں۔

بیہقی نے ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ قرآن مجید کی تعریب (تفسیر) کرو اور اس کے غریب اور نامانوس الفاظ کی تلاش میں سرگرم رہو۔

۳۔ تفسیر کی اہمیت اور تعامل صحابہ:

عہد نبوی میں ہی صحابہ کرام بہت ذوق و شوق کے ساتھ قرآنی کی تعلیم حاصل کرتے اور ان تعلیمات پر عمل پیرا رہتے۔ آپ کی رحلت کے بعد صحابہ کرام نے باقاعدہ حلقہ ہائے درس قائم کیے جہاں تشنگان علم اپنی علمی پیاس بجھاتے۔ اس طرح کے حلقے مدینہ میں حضرت زیدؓ، مکہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ، کوفہ میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور حضرت علیؓ نے قائم کیے تھے جہاں باقاعدگی کے ساتھ قرآن مجید کی تفسیر

اورتشریح کی جاتی تھی۔

صحابہ کرام کوقرآن کے ساتھ گہرالگاؤ تھااس کا اندازہ ہم صرف ایک بات سے کر سکتے ہیں کہ تدوین قرآن کا انتہائی اہم کام عہد صدیقی میں مکمل کیا گیااوراس کام کومکمل کرنے میں صحابہ کرام نے انتہائی لگن،محنت اوردیانت داری سے دن رات ایک کر کے اس مقدس فرض کوتکمیل تک پہنچایا۔

حضرت ابوبکرصدیقؓ فرماتے ہیں کہ: بےشک مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ میں قرآن کی کسی آیت کی تعریب(تفسیر) کروں بہ نسبت اس بات کے کہ میں ایک آیت حفظ کرلوں۔ (من الانباری)

۴۔تفسیر کی ضرورت واہمیت از روئے تعامل امت:

تفسیر قرآن کاعظیم کام عہد صحابہ کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بھی جاری رہااور یہ ایسا مقدس کام ہے کہ جس پر بعد والوں نے اپنی پوری پوری زندگیاں صرف کر دیں۔ یہ وہ علمائے دین تھے جنہوں نے تفسیر قرآن کی صورت میں اپنے پیچھے ایسے نادر شاہکار چھوڑے ہیں جن پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔اب تو دنیا کی مختلف زبانوں میں اتنا بڑا تفسیری سرمایہ موجود ہے جس کواحاطہ تحریر میں لانا مشکل ہے۔

۵۔تفسیر کی ضرورت واہمیت از روئے عقل:

اسلام دین فطرت ہے اور اس کی تعلیمات فطرت کے اصولوں کے عین مطابق ہیں۔قرآنی تعلیمات پر اگرغورکیا جائے تو گویا وہ فطرت کے اصولوں کاعملی اظہار ہے۔قرآن اصول اورکلیات کا جامع مرقع ہے۔ان فطری کلیات اوراصولوں کو قرآن نے اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔ان اصولوں کو سمجھنے کے لیے تشریح وتوضیح کی بےحد ضرورت ہے۔آپؐ نے خود ان اصولوں کی تشریح فرمائی اوراگر آپؐ ایسا نہ کرتے تو یہ عوام الناس کے لیے کبھی حجت اور دلیل نہ ہوتے۔اس لیے عقل کا تقاضا ہے کہ قرآن کے قابل وضاحت مقامات کی تفسیراورتشریح کی جائے تاکہ انسان ان آیات کے احکام پر پوری طرح عمل پیرا ہو سکے۔

(تفہیم القرآن)

اصولِ تفسیر

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اُس نے ہادی برحق محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت نبی اور اللہ کے رسول کے ساتھ ساتھ قرآن کے ایک مفسر اور شارح کی بھی ہے۔ قرآن مجید نے اس بات کی تصریح خود ایک جگہ پر یوں فرما دی ہے:

لَقَدْمَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْبَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ . (آل عمران:١٦٤)

''یقیناً اللہ نے مومنوں پر احسان کیا جب ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جہاں جہاں پر ضرورت پیش آتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود قرآنی آیات اور احکام کی تشریح فرما دیتے۔ اصول تفسیر کے بیان میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بہت نادر اور نایاب کام کیا ہے جو کسی کتاب میں نہیں۔ ایک مفسر کے لیے قرآن کریم کی آیات کی تفسیر اور تشریح کرنے کے لیے مندرجہ ذیل اصولوں کا جاننا ضروری ہے۔

۱۔ محکمات ومتشابہات کا علم:

قرآن مجید فرقان حمید میں دو طرح کی آیات ہیں ایک آیات محکمات کہلاتی ہیں جبکہ دوسری کو متشابہات کہا جاتا ہے۔ متشابہات وہ آیات ہیں جن کے ایک سے زیادہ معنی اور مفاہیم ہیں۔ متشابہ کی تفسیر کے لیے ایک مفسر کو محکمات کو سامنے رکھنا چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَالَّذِىْ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتَابِ وَاُخَرُ مُتَشَابِهٰتٌ . (آل عمران:٦)

''اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے تجھ پر کتاب نازل کی اس میں کچھ آیات محکمات ہیں جو کتاب کی
اصل ہیں اور کچھ متشابہات ہیں''
ایک مفسر کے لیے محکمات اور متشابہات کا علم ضروری ہے۔

۲۔طہارت نفس:

طہارت عبادات اسلامی کے لیے ایک لازمی جز کی حیثیت رکھتی ہے۔ایک طہارت ظاہری اور جسمانی ہے جبکہ دوسری کا تعلق انسان کے نفس سے ہے۔قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَّا يَمَسُّهُ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ. (الواقعہ ۵۶:۷۹)

''سوائے پاکیزہ لوگوں کے اسے کوئی چھو نہیں سکتا۔''

قرآن مجید کی رو سے متقی اور پرہیزگار وہ شخص ہے جو صحیح الاعتقاد ہو، درست اعمال رکھتا ہو، مصائب میں ثابت قدم رہنے والا اور دوسروں کے کام آنے والا ہو۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سَاَ صْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ. (الاعراف ۷:۱۴۶)

''جو لوگ زمین میں ناحق تکبر کرتے پھرتے ہیں ان کو آیات سے روگردان کردوں گا۔''

اس کے برعکس جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ .

''اللہ کا تقویٰ اختیار کرو وہ تمہیں قرآن مجید سکھا دے گا۔''

۳۔عربی زبان پر عبور:

قرآن مجید فرقان حمید اللہ تعالیٰ کی طرف سے عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔اس زبان کی اپنی وسعت اور جامعیت ہے۔قرآن فہمی کے لیے ضروری ہے کہ مفسر کے پاس عربی زبان پر اتنی دسترس ہو کہ وہ اُس کے معانی اور مطالب کی گہرائی تک پہنچ سکے۔امام شافعی فرماتے ہیں کہ:''جب تک کسی آدمی میں کسی عربی عبارت کو عربی کے ہی انداز فہم اور تعبیر کے مطابق سمجھنے کی صلاحیت نہ ہوگی وہ قرآن مجید کے رسیلے اسلوب بیان اور اس کے مخصوص انداز تعبیر سے واقف نہیں ہو سکے گا۔''

۴۔قرآن کے نظم کا خیال رکھنا:

قرآن ایک ایسی ہستی کا کلام ہے جس کی ہر بات اپنے اندر کئی معنی اور مفہوم رکھتی ہے۔اسی طرح قرآن کی ہر آیت اور سورت کا دوسری آیت اور سورت کے ساتھ نہایت گہرا ربط اور تعلق ہے مفسر کے لیے قرآن کے اس نظم کو سمجھنا اوراس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

۵۔سنت رسول پر عبور:

قرآن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔آپ ؐ کی شخصیت ایک شارح قرآن کی بھی ہے۔ آپ ؐ نے اپنے قول، فعل اور تقریر کے ذریعے اس کی تشریح فرمادی ہے۔یہ تشریح سنت اور حدیث کہلاتی ہے۔ آپ ؐ کی سیرت طیبہ اور ذخیرہ حدیث کو نظر انداز کر کے قرآنی آیات کی تفسیر بذات خود ایک فتنہ کو دعوت دینا ہے۔اس لیے مفسر قرآن کے لیے سیرت طیبہ اور حدیث نبوی ؐ پر عبور ضروری ہے۔

۶۔حیات صحابہ پر نظر:

صحابہ کرام وہ برگزیدہ ہستیاں تھیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ رہ کر آپ ؐ سے دین سیکھا اور پھر اپنی زندگیوں میں اسوہ حسنہ کی عملی تفسیر بن کر رہے۔ان میں سے بعض صحابہ نے اپنی پوری زندگی قرآنی علوم کو سیکھنے اور سکھانے پر صرف کی۔ان میں خلفائے راشدین، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ، عبداللہ بن عمر ؓ، حضرت زید بن ثابت ؓ اور دوسرے بہت سے اصحاب شامل ہیں۔قرآن کریم کو سمجھنے کے لیے ان صحابہ کرام کے اقوال اوران کی زندگیوں کا جاننا نہایت ضروری اور مفید ہے۔

۷۔تاریخ عالم پر نظر:

اللہ تعالیٰ نے کائنات ارضی میں اقوام عالم کی ہدایت و راہنمائی کے لیے بہت سے نبی اور رسول بھیجے۔قرآن کریم میں متعدد اقوام کے واقعات کہیں اجمالاً اور کہیں تفصیلاً آئے ہیں۔ان واقعات کو سمجھنے اور جاننے کے لیے اقوام عالم کی تاریخ کا علم بہت ضروری ہے۔

۸۔تدبر قرآن:

قرآن میں غور فکر سے اس کے معنی اور مفاہیم کھل کر سامنے آتے ہیں۔اس کے لیے ضروری ہے کہ

آدمی قرآن میں غور وفکر کرتا رہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْ فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا . (العنکبوت:۶۹)

''یعنی جو ہمارے راستے میں کوشش کرتے ہیں ہم ان کو راہ راست پر چلا کر منزل پر پہنچاتے ہیں۔''

۹۔تفسیر القران بالقرآن:

قرآن مجید کی بعض آیات اجمالاً کسی واقعے کا ذکر کرتی ہیں اور کسی دوسری جگہ تفصیلاً۔ایک مفسر کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس بات کا خیال رکھے اور جو معنی قرآن نے بیان کیے ہیں وہی اختیار کرے۔

اِنَ الْقُرْآنَ يُفَسِرُ بَعْضَهُ بِبَعْضَ.

''قرآن کی آیات ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں۔''

صرف یہ نہیں کہ من مانی تاویل کے ذریعے وہ آیات کے معانی اور مفاہیم تلاش کرتا اور بیان کرتا پھرے۔

۱۰۔فطرت کے اصولوں پر نظر:

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور کائنات اس کا فعل۔اللہ کے قول و فعل میں کلی طور پر مطابقت ہے۔یعنی قرآن کے تمام فرامین فطرت کے اصولوں کے عین مطابق ہیں کوئی بھی چیز اس سے باہر نہیں۔اس لیے ضروری ہے کہ آیات قرآنیہ کی تفسیر کرتے ہوئے فطرت کو بھی ذہن میں رکھا جائے ایسا نہ ہو کہ تفسیر اللہ کے فعل کے خلاف ہو جائے۔

۱۱۔الہامی کتابوں کا علم:

قرآن میں گزری اقوام کے بہت سے واقعات اجمالاً موجود ہیں۔مفسر کے لیے اُن واقعات کی تہہ تک پہنچنے کے لیے اسرائیلیات کا سہارا لینا پڑتا ہے۔اگر اس کو الہامی کتب اور صحائف پر کامل عبور ہو تو وہ کسی بھی واقعے کی تہہ تک پہنچ سکتا ہے جبکہ اس سے لاعلمی بجائے فائدے کے نقصان کا باعث ہو سکتی ہے۔

۱۲۔عربی گرائمر و قواعد پر عبور:

صرف و نحو کسی بھی زبان میں بہت اہم حیثیت رکھتے ہیں۔خاص طور پر عربی زبان میں دسترس اور اُس کے اسرار و رموز جاننے کے لیے گرائمر اور قواعد پر عبور ضروری ہے۔مفسرین نے تفسیر قرآن کے لیے صرف و

نحو کو بھی ایک اہم اصول قرار دیا ہے۔

۱۳۔ تقدیس الٰہی کا احترام:

تفسیر قرآن کے دوران یہ بات ضروری ہے کہ مفسر اس بات کا خیال رکھے کہ کہیں اس کی کی ہوئی تفسیر اللہ تعالیٰ کے اسماء یا اس کی صفات کے خلاف تو نہیں۔ مثلاً ”**انا نسینا ھم**“ کے معنی یہ کرنا کہ ہم انہیں بھول گئے خدا کی صفات کے خلاف ہیں۔ **نسی** کے معنی ترک بھی لغت عرب میں ہے۔ اس وجہ سے اس آیت کے یہ معنی کریں گے کہ ہم نے انہیں چھوڑ دیا۔ ”**وھو خادعھم**“ وہ خدا، اُن کو دھوکا دینے والا ہے یہ معنی خلاف اسماالٰہیہ ہیں۔ **خدع** کے معنی **امسک** (چھوڑنا) کے بھی ہیں۔ عرب کا محاورہ ہے ”**فلان کان یعطی فخدع فلان**“ دیتا تھا۔ اب اس نے دینا چھوڑ دیا ہے۔ پس آیت متذکرہ بالا کے یہ معنی کریں گے کہ اللہ ان منافقوں کو محروم رکھنے والا ہے۔ تمام اشباہ میں یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

۱۴۔ نیک لوگوں کی صحبت:

بزرگان دین کی صحبت جہاں انسان کی شخصیت میں دین کے ساتھ محبت کے جذبات پیدا کرتی ہے وہیں ہم دیکھتے ہیں کہ جس طرح دنیاوی علوم بغیر استاد کامل کے انسان نہیں سیکھ سکتا اسی طرح قرآن کریم جو مجموعہ علوم ہے وہ بغیر کسی استاد کامل کے کیسے آ سکتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ایک مفسر دیندار لوگوں سے ضرور فیضیاب ہوتا کہ اس کے علم میں نکھار آئے۔

۱۵۔ مقاصد قرآن کا احترام:

قرآن مجید کا نزول کسی خاص مقصد کے تحت ہوا ہے۔ مفسر کے لیے ضروری ہے کہ وہ نزول قرآن کے اُن مقاصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھے۔

۱۶۔ دعا:

مندرجہ بالا اصولوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی لازمی ہے کہ مفسر قرآن ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے اپنے علم میں وسعت اور اضافے کی دعا کرتے رہے جس طرح نبی رحمت گنجینہ علوم ہونے کے باوجود اللہ سے ہمیشہ **رب ذدنی علماً** کا ورد کرتے تھے۔ تفسیر قرآن کے لیے دعا مانگنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ اگر اللہ کسی پر قرآن کے اسرار رموز کھول دے تو اس کی رحمت بے پایاں کا کیا کہنا۔ (بحوالہ تفہیم القرآن، تفسیر القرآن)

منتخب تفاسیر کا تعارف

اور

اجمالی جائزہ

تفسیر ابن کثیر

مولف کا تعارف:

تفسیر ابن کثیر حافظ ابوالفدا ءعماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر کی مشہور زمانہ تصنیف ہے۔آپ کا نام اسماعیل کنیت ابوالفدا ءاور لقب عماد الدین تھا لیکن آپ کو شہرت اپنے دادا کثیر کے نام سے حاصل ہوئی اور اسی مناسبت سے ابن کثیر کہلائے۔آپ شام کے شہر بصریٰ کے قریب مجدل کے قصبہ میں با اختلاف روایات ۷۰۰ھ یا ۷۰۱ھ میں پیدا ہوئے۔۷۰۳ھ میں آپ کے والد کا انتقال ہو گیا اور بڑے بھائی نے پرورش کی ذمہ داری سنبھالی۔۷۰۶ھ میں آپ بھائی کے ہمراہ دمشق آ گئے اسی وجہ سے آپ کو دمشقی کہا جاتا ہے۔

آپ نے اپنے دور کے مروجہ علوم میں مہارت حاصل کرنے کے لیے اپنے وقت کے ماہر اساتذہ سے کسب فیض حاصل کیا۔آپ کے اساتذہ میں ابن سویدی، ابن الرضی، حافظ ذہبی ابن عساگر اور علامہ ابن تیمیہ جیسی مشہور شخصیات شامل ہیں۔حافظ مزی سے بھی استفادہ کیا۔آپ علامہ ابن تیمیہ کے بڑے مداح تھے ۔مسئلہ طلاق میں انہی کی رائے کے مطابق فتویٰ دیتے جس کی وجہ سے مسائل کا شکار ہوئے۔

آپ کا شمار جید علماء میں کیا جاتا ہے۔آپ تفسیر، حدیث اور فقہ میں بلند مقام رکھتے تھے۔آپ کی زندگی میں ہی آپ کی تصانیف کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی تھی۔صاحب شذرات الذہب ابن الحماد آپ کے فہم اور حافظہ کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

ابوالمحاسن حسینی کے نزدیک:

''فقہ، تفسیر اور نحو میں ماہر تھے اور رجال و علل حدیث میں بڑی گہری نظر پیدا کی تھی'' حافظ ذہبی ''تذکرۃ الحفاظ'' میں ان الفاظ کے ساتھ آپ کی مدح کرتے ہیں:

''ان کو رجال،متون حدیث اور فقہ کے ساتھ اعتناء ہے ۔انہوں نے احادیث کی تشریح کی ،مناظرہ کیا،تصنیف کی،تفسیر لکھی اورآگے بڑھ گئے''۔

ابن حبیب کہتے ہیں کہ:

''تاریخ،حدیث اورتفسیر کی علمی ریاست اس (ابن کثیر) تک اپنی انتہا کو پہنچ گئی''۔

تصانیف:

آپ کی تصانیف وتالیفات میں سے مشہورترین کتب حسب ذیل ہیں۔

۱۔ تفسیر القرآن الکریم۔

۲۔ البدایہ والنہایہ۔

تفسیر کا تعارف:

صاحب کشف الظنون تحریر کرتے ہیں کہ:

''تفسیر ابن کثیر دس جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ تفسیر بالا حادیث والا آثار ہے اور باضابطہ اسناد کے ساتھ اس میں روایات بیان کی گئی ہیں۔ بوقت ضرورت جرح وتعدیل وغیرہ اصول سے بھی کام لیا ہے۔ میں نے ان کے تذکرہ نگاروں میں سے کسی کو ایسا نہیں دیکھا جس نے اس تفسیر سے زیادہ اور کچھ ہم سے بیان کیا ہو''۔

اللہ تمہیں زندہ رکھے جیسا کہ تم نے میری سنت کو زندہ کیا۔اس واقعہ کے بعد محی السّنہ کا لقب ان کے لیے علم کی طرح مشہور ہوگیا اوراب تک علماء امت میں وہ محی الدین بغوی کے نام سے موسوم کیے جاتے ہیں۔

تفسیر ابن کثیر کا اسلوب/خصوصیات

۱۔ تفسیر بالماثور:

علامہ ابن کثیر کی ''تفسیر القران الکریم''مکمل طور پر تفسیر بالماثور ہے۔ابن کثیر سب سے پہلے ایک آیت کی تفسیر اسی مضمون کی دوسری آیت سے کرتے ہیں پھر اسی مضمون

کی احادیث نقل کرتے ہیں۔اس کے بعد صحابہؓ وتابعین کے اقوال لاتے ہیں

۲۔ اسانید کا ذکر:

علامہ ابن کثیر نے اس تفسیر میں جو احادیث نقل کی ہیں اُن کے ساتھ باضابطہ سند نقل کرنے کا اہتمام بھی کیا ہے جو اس تفسیر کی ایک اور خصوصیت ہے۔

۳۔ اسرائیلیات کا خاتمہ:

ابن کثیر کا ایک اور بڑا علمی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے تفسیر اور تاریخ میں راہ پانے والی اسرائیلیات پر شدید تنبیہ کی ہے اور انہیں چھانٹ کر نکال دیا ہے۔اسرائیلیات پر سے تنبیہ کہیں اجمالی ہے اور کہیں بالتفصیل۔

۴۔ مسائل فقہ:

فقہی مسائل پر بھی علامہ موصوف نے اپنی تفسیر میں سیر حاصل بحث کی ہے۔مختلف علماء اور فقہاء کے دلائل کو ذکر کیا ہے۔آیات احکام سے متعلق فقہی موشگافیوں کو بھی کھول کر بیان کیا ہے۔

۵۔ مناسب اجتماع آیات:

مختلف آیات کی تفسیر میں کسی جگہ صرف ایک آیت لکھ کر اس کی تفسیر کرتے ہیں۔جبکہ اس کے برعکس جہاں مسلسل مضمون چل رہا ہو۔وہاں اس کی مناسبت سے دو یا دو سے زیادہ آیات کو جمع کر لیتے ہیں۔

۶۔ اسانید ورجال پر بحث:

ابن کثیر نہ صرف روایات کے ساتھ اسناد نقل کرتے ہیں بلکہ طبری کے برعکس اسانید ورجال پر سیر حاصل بحث بھی کرتے ہیں۔

۷۔ روایات تعارف:

ابن کثیر نے ہر سورت کی ابتدا میں اس سورت کی فضیلت پر روایات ذکر کی ہیں جو کہ اس کی بڑی خوبی ہے۔

۸۔ روایت ودرایت کا حسین مرقع:

تفسیر ابن کثیر اگرچہ تفسیر بالروایہ کا حسین مرقع ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ درایت سے بھی صرف نظر نہیں کیا گیا ہے۔اس طرح یہ روایت ودرایت کا خوبصورت امتزاج ہونے کے لحاظ سے اپنے اندر بے مثال جامعیت رکھتی ہے۔

۹۔ سلیس:

تفسیر ابن کثیر کی زبان انتہائی سلیس سادہ اور رواں ہے۔

۱۰۔ استفادہ عام:

تفسیر ابن کثیر کا انداز اور اسلوب اس قدر آسان ہے کہ ہر طبقہ کے افراد کے لیے موزوں ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس تفسیر کو غیر معمولی پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔اصل تفسیر عربی میں ہے۔لیکن بشمول اُردو کئی دوسری زبانوں میں اس کے تراجم بھی ہو چکے ہیں اور بارہا طبع ہو چکی ہے۔

تفسیر پر آراء:

قاضی شوکانی آپ کی تفسیر کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

''اس میں خوب جمع کیا اور خوب محفوظ کر دیا، مذاہب نقل کیے حدیثیں لکھیں، آثار درج کیے اور بہت ہی عمدہ اور نفیس کلام فرمایا''۔

حافظ سیوطی اس تفسیر کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

''اس طرز پر کوئی دوسری تفسیر نہیں لکھی گئی''۔

انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ:

''اگر کوئی کتاب کسی کتاب سے مستغنی کر سکتی ہے تو وہ تفسیر ابن کثیر ہے''۔

وفات:

علامہ ابن کثیر آخری عمر میں بینائی سے محروم ہو گئے تھے۔26 شعبان ۷۷۴ھ میں آپ کا وصال ہوا اور اپنے محبوب اُستاد علامہ ابن تیمیہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

تفسیر بیضاوی

مؤلف کا تعارف:

تفسیر بیضاوی عبداللہ بن عمر البیضاوی کی مشہور تفسیر ہے۔آپ کی کنیت ابوسعید اور لقب ناصر الدین تھا۔اسی وجہ سے آپ کو ابوسعید ناصر الدین عبداللہ بھی کہا جاتا ہے۔اس کے علاوہ آپ کی کنیت ابوالخیر بھی تھی۔ بیضاوی آپ کا نسبتی نام ہے اسی مناسبت سے آپ کی تحریر کردہ تفسیر کو تفسیر بیضاوی کہا جاتا ہے۔

آپ کا شمار اپنے وقت کے نامور علماء میں کیا جاتا ہے۔آپ بہت سادگی پسند اور پرہیزگار تھے۔علم مناظرہ میں آپ کو دسترس حاصل تھی۔ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ شیراز میں قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے عہدے پر بھی فائز رہے۔ بعد میں ترک منصب کر کے شیخ محمد تحتانی کی خدمت میں حاضر رہے اور انہی کی ایما پر تفسیر رقم کی۔شافعی المسلک تھے۔

وفات:

آپ کا انتقال تبریز میں ہوا اور یہیں آسودہ خاک ہوئے۔امام سبکی کے قول کے مطابق آپ کا سن وفات 691ھ ہے۔ابن کثیر نے سن وفات 685ھ جبکہ بعض دوسرے مورخین کے نزدیک 692ھ بیان کیا گیا ہے۔

تصانیف و تالیف:

آپ کا شمار کثیر التصانیف علماء میں ہوتا ہے جن میں سے اہم اور مشہور تصانیف درج ذیل ہیں:

۱۔ انوار التنزیل واسرار التاویل فی التفسیر (تفسیر بیضاوی)

۲۔ کتاب المنہاج وشرحہ فی اصول الفقہ۔

۳۔ کتاب الطوّالع فی اصول الدین۔

تفسیر کا تعارف:

بیضاوی کے نام سے جو تفسیر مشہور ہوئی اس تفسیر کا اصل نام ''انوار التنزیل واسرار التاویل فی التفسیر'' ہے بیضاوی آپ کا نسبتی نام ہے۔اسی لیے آپ کی تفسیر کو بھی ''بیضاوی'' کہا جاتا ہے۔

مناہل العرفان میں ہے:

''تفسیر بیضاوی ایک ایسی جلیل القدر کتاب ہے جسے تفسیر وتاویل کے مابین لغت عربیہ کے قوانین کے مطابق مرتب و مدون کیا گیا ہے اور اہل سنت کے اصول پر دلائل ثبت کیے گئے ہیں۔''

صاحب کشف الظنون اسی تفسیر کے متعلق بیان فرماتے ہیں کہ:

''یہ ایک ایسی عظیم الشان تفسیر ہے جو تعریف سے مستغنیٰ ہے یہ مختلف امتیازات رکھنے والی تفاسیر کا گویا نچوڑ ہے۔یعنی اس میں اعراب و معانی، بیان سے متعلق مباحث دراصل کشاف کے مندرجات کا مغز ہیں۔حکمت و کلام سے متعلق جو مواد ہے وہ تفسیر کبیر سے ماخوذ ہے۔اور اشتقاق و دقیق حقائق اور لطیف اشارات و نکات تفسیر راغب اصفہانی سے ماخوذ ہیں۔ان باتوں کے ساتھ ساتھ قاضی بیضاوی نے اس میں معقول دلائل اور مقبول تصرفات رکھنے والے ایسے امور بھی ثبت کیے ہیں جو ان کی فکر و بصیرت کے ثمرات و نتائج ہیں۔اور وہ اسرار و رموز بھی ثبت کیے ہیں جو ان کی فکر و بصیرت کے ثمرات و نتائج ہیں۔جن کی وجہ سے اسرار و موز سے شک کا میل دور ہو کر ان میں چمک اور وضاحت پیدا ہو جاتی ہے اور علم میں وسعت اور بصیرت میں زیادتی ہوتی ہے''۔

مولا منشی کہتے ہیں کہ:

''صاحبان عقل ایسی کوئی چیز پیش نہ کر سکے جو تلاوت کی جانے والی کتاب (قرآن) کے غلاف کو کھول دے۔لیکن قاضی بیضاوی کا وہ روشن ہاتھ ہے جو کبھی پرانا نہ ہوگا''۔

خصوصیات:

۱۔ صاحب کشاف کی طرح آیات کے آخر میں احادیث درج کی گئی ہیں۔

۲۔ احادیث کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام اور تابعین کے بعض اقوال اس تفسیر میں نقل کئے گئے ہیں۔

۳۔ اسرائیلی روایات کو اس تفسیر میں بہت کم جگہ دی گئی ہے۔

۴۔ آیات کونیہ کی تفسیر میں کائنات پر غور و خوض کرنے کی دعوت دی گئی ہے جو کہ شاید تفسیر کبیر کا اثر ہے۔

۵۔ اس تفسیر کی تکمیل میں تفسیر کبیر اور راغب اصفہانی کی تفسیر سے استفادہ کیا گیا ہے جس کا رنگ اس تفسیر میں نمایاں ہے۔

۶۔ اس تفسیر میں اہل سنت کے مسلک کو واضح کیا گیا ہے۔

۷۔ حواشی کبیر ہیں۔

☆☆☆

تفسیر روح المعانی

مؤلف کا تعارف:

تفسیر روح المعانی کے مولف کا نام سید محمود بن عبداللہ آفندی آلوسی بغدادی ہے۔ آپ 1217ھ میں عراق کے شہر بغداد کے علاقہ کرخ میں پیدا ہوئے۔ آپ بہت ذہین و فطین اور علم پر دسترس رکھنے والے تھے۔ چھوٹی عمر میں ہی قرآن، حدیث، فقہ اور اپنے دور کے دیگر مروج علوم پر کمال مہارت حاصل کی اپنے دور کے بڑے بڑے علماء سے فیض حاصل کیا جن میں سے ایک آپ کے والد گرامی تھے اور صرف سترہ سال کی عمر میں درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف میں بھی مشغول ہو گئے۔

آپ شافعی المسلک تھے البتہ اکثر مسائل میں امام ابوحنیفہ کی تقلید کرتے تھے۔ آخری عمر میں اجتہاد کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ آپ کا شمار جامع اور فروغ و اصول کے زبردست فہم رکھنے والے عظیم محدث اور کتاب اللہ کے چوٹی کے مفسر کے طور پر کیا جاتا ہے۔

دوران تدریس مختلف مدارس میں تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ جب حنفیہ کے افتاء پر مامور کیے گئے تب بھی تدریس کا کام نہیں چھوڑا اور ملاصقہ کے علاقہ میں اپنے گھر میں تمام علوم پڑھانے شروع کیے۔ طلباء دور دراز علاقوں سے آپ کے پاس کھنچے چلے آتے۔

مدرسہ جرجانیہ اس دور میں علمی شہرت کی بلندیوں پر تھا اور اس کے متولی ہونے کے لیے سب سے زیادہ اہل علم ہونے کی شرط تھی۔ یہ شرط پوری ہونے کی بناء پر آپ کو اس مدرسہ کا متولی مقرر کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلا کی ذہانت اور قوت حافظہ سے نوازا تھا۔ اپنے حافظہ کے متعلق آپ خود فرماتے ہیں:

''میں نے اپنے ذہن میں کوئی چیز امانت نہیں رکھی کہ اس نے میری خیانت کی ہو اور جب بھی میں نے اپنی فکر کو مشکل مقام کو حل کرنے کی طرف بلایا تو اس نے میری بات کو قبول کیا''۔

آپ نے درس وتدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔1263ھ میں آپ نے افتاء کے منصب سے علیحدگی اختیار کر لی اور ہمہ تن گوش ہوکرتصنیف و تالیف پر وقت صرف کیا۔1267ھ میں قرآن کریم کی تفسیر مکمل کر کے آپ قسطنطنیہ تشریف لائے اور سلطان عبدالمجید خان کو اپنی تفسیر پیش کی جسے سلطان نے بے حد سراہا اور بہت پسند کیا۔

آپ کا شمار کثیر التصانیف علماء میں کیا جاتا ہے اور آپ نے ہر فن میں بے انتہا کتب تصنیف فرمائیں۔

وفات:

25 ذوالحجہ 1270ھ میں آپ کا وصال ہوا اور شیخ کرخی کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔

تعارف تفسیر:

تفسیر روح المعانی کا پورا نام ''روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم وسبع المثانی'' ہے۔یہ تفسیر دس ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔علامہ موصوف نے اس میں فقہ،کلام،تصوف اور عقائد پر ہر لحاظ سے کلام کیا ہے۔

مناہل العرفان میں مذکور ہے کہ:

''تفسیر آلوسی کا نام روح المعانی ہے اور یہ جلیل القدر تفاسیر میں سے ایک وسیع ترین اور جامع تفسیر ہے۔اس میں سلف کی روایات کے ساتھ ساتھ خلف کی مقبول آراء کو بھی درج کیا گیا ہے نیز اُن امور کو بھی شامل کیا گیا ہے جو عبادت کے طریق سے بھی سمجھے جاتے ہیں اور اشارہ کے طریق سے بھی۔''

علامہ آلوسی اپنی تفسیر کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ:

''میں بچپن ہی سے کتاب اللہ کے اسرار معلوم کرنے کا بے حد شائق تھا،اس مقصد کے لیے نیند کو اکثر دفعہ ترک کر دیتا تھا اور اپنی قوم کو خیر باد کہہ دیتا تھا،بری سوسائٹی سے اجتناب کرتا تھا اور اپنے قیمتی اوقات کو غلط خواہشات میں ضائع نہیں کرتا تھا۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بہت سے حقائق اخذ کرنے کی توفیق دی۔''

تفسیر کی تصنیف کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''اکثر اوقات میرے دل میں یہ چبھن رہتی تھی کہ کوئی ایسی کتاب لکھوں جس میں جمع کردہ فوائد کو اکٹھا کر دوں لیکن مجھے تردد رہتا تھا۔آخر جمعہ کی ایک شب میں نے خواب میں دیکھا کہ اللہ جل شانہ نے مجھے

آسمان وزمین کے لپیٹنے اوران کے طول وعرض کی علیحدگی کے متصل کرنے کا حکم دیا۔ پس میں نے اپنا ایک ہاتھ آسمان کی طرف اور دوسرا پانی کے مستقر کی طرف بڑھایا تو اسی حالت میں بیدار ہوگیا اور خواب پر بہت متعجب ہوا۔ آخر میں میں نے بعض کتب میں تفتیش کے بعد دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ تفسیر کی تالیف کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ 1252ھ میں شعبان کی سولہ تاریخ کو میں نے رات کے وقت کتابت شروع کردی اور ربیع الثانی 1267ھ میں ختم کی''۔

''اشرف السوانح'' کا مصنف مولانا تھانوی کی تفسیر ''بیان القرآن'' پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

''ماخذوں میں غالباً سب سے زیادہ آلوسی بغدادی کی تفسیر روح المعانی پر اعتماد فرمایا گیا ہے۔ یہ تفسیر اس لحاظ سے حقیقتاً مفید ہے کہ تیرھویں صدی کے وسط میں لکھی گئی ہے۔ اس لیے تمام قراء کی تصانیف کا خلاصہ ہے اور مختلف و منتشر تحقیقات اس میں یکجا مل جاتی ہیں''۔

خصوصیات

۱۔ تفسیر بالرائے:

یہ کتاب تفسیر بالرائے کا جو عندالشرع جائز ہے کا صحیح اور اہم ترین مرقع ہے۔

۲۔ تین طریق کی جامع:

تعلیم الارشاد ۱۹ میں مذکور ہے کہ علامہ آلوسی اہل عراق کے متاخرین اہل تفسیر میں سے ہیں۔ انہوں نے اپنی تفسیر اس طرح کی کہ یہ کتاب تین طریقوں کی جامع بن گئی ایک تو طریق سلف دوسرا طریق متکلمین، تیسرا صوفیاء کا طریق۔

۳۔ مسائل فقہ میں معتدل رویہ:

علامہ آلوسی نے اس تفسیر میں آیات احکام کی تفسیر میں بغیر کسی تعصب یا جانبداری کے مسائل بیان کیے ہیں۔

۴۔ اسرائیلیات پر تنقید:

اسرائیلی روایات کے حوالے سے آپ نے اپنی تفسیر میں کڑا معیار اپنایا ہے۔ اس بارہ

میں علامہ ذہبی کا ایک ہی فقرا کافی ہے کہ:

''بے شک وہ اسرائیلی روایات اور جھوٹے واقعات پر زبردست تنقید کرنے والا ہے''۔

۵۔ اختلاف قرآن اور اسباب نزول کا خوبصورت اظہار۔

سورتوں کا نزول، ان کا آپس میں ربط و تعلق اور قراتوں کے اختلاف کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ علامہ آلوسی نے بیان فرمایا ہے۔

۶۔ مسائل کونیہ پر بحث

آیات کونیہ کی تفسیر میں علامہ آلوسی نے مسائل کونیہ سے متعلق عمدگی سے بحث کی ہے۔ اہل ہیت اور اہل حکمت کے کلام کو ذکر کر کے پسندیدہ اور ناپسندیدہ امور پر خبردار کیا ہے۔

مختصراً یہ کہ تفسیر آلوسی وہ جلیل القدر وسیع ترین اور جامع تفسیر ہے جس میں مختلف منتشر تحقیقات یکجا مل جاتی ہیں۔

☆☆☆

احکام القرآن

تعارفِ مؤلف:

احکام القرآن کے مؤلف ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص 305ھ میں عراق کے شہر بغداد میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ''جصاص'' (چونا ساز) کے نام سے شہرت حاصل کی۔ اپنے عہد کے مروجہ علوم میں کمال مہارت حاصل کی۔ اس دور کے نامور عالم ابوالحسن کرخی اور دیگر فقہائے عصر سے مختلف علوم میں استفادہ حاصل کیا۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ درس و تدریس میں مشغول ہو گئے اور مختلف مدارس میں پیشہ وارانہ فرائض انتہائی لگن سے سرانجام دیئے۔ آپ کی علمی برتری کو دیکھتے ہوئے حکومت وقت نے آپ کو منصبِ قضا کی پیش کش کی مگر آپ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

آپ کے عہد میں معتزلی افکار تیزی سے سرایت کر رہے تھے۔ آپ بھی معتزلہ کے ان عقائد سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے مگر آپ نے اس کے برعکس حنفی فقہ کی ترویج و اشاعت کے سلسلہ میں اہم کردار ادا کیا۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ اور بہت سی شہرہ آفاق کتب تصنیف کیں۔

وفات:

آپ کا انتقال 370ھ میں ہوا۔

تصنیف و تالیف:

آپ کی تصنیف و تالیف کی گئی چند مشہور کتب درج ذیل ہیں۔

۱۔ احکام القرآن (تفسیر)
۲۔ اصول الفقہ ۔
۳۔ شرح مختصر الکرخی ۔
۴۔ شرح الجامع الصغیر (از محمد بن حسن شیبانی)
۵۔ شرح مختصر الطحاوی۔
۶۔ ادب القضاء۔

احکام القرآن کا اسلوب:

یہ تفسیر ''فقہی تفاسیر'' کی اہم کتب میں شمار کی جاتی ہے۔ کتاب کے ہر باب کا ایک عنوان مقرر کیا گیا ہے ۔اس میں عنوان سے متعلقہ احکام و مسائل بیان کئے گئے ہیں۔اس تفسیر میں قرآن مجید کی تمام صورتوں کی زیر بحث لایا گیا ہے۔جن آیات کا فقہی احکام سے کوئی تعلق نہیں ان سے تعرض نہیں کیا گیا ہے۔ ایسے اختلافی مسائل بھی مصنف نے بیان کر دیے ہیں جن کا آیت کے ساتھ معمولی سا بھی تعلق ہے۔اس تفسیر میں فقہ حنفی کی حمایت کی گئی ہے۔

بعض ناقدین کے نزدیک جصاص نے اپنے مسلک کو صحیح ثابت کرنے کے لیے تعصب اور جانبداری سے کام لیا ہے اور بعض آیات کی تاویل میں بے جا کھینچا تانی کی ہے۔

اس کے باوجود یہ تفسیر علم و فضل کے اعتبار سے بہترین کتاب ہے خصوصاً فقہ میں اس تفسیر کا مقام بلند ہے۔

☆☆☆

تفسیر کبیر

تعارف:

تفسیر مفاتیح الغیب ابوعبداللہ محمد بن عمر بن حسین فخر الدین رازی، تمیمی، بکری، طبرستانی کی بہت بڑی تفسیر ہے جسے تفسیر ''مفاتیح الغیب'' کے علاوہ تفسیر رازی، تفسیر فخر الدین اور تفسیر کبیر بھی کہا جاتا ہے۔

فخر الدین رازی با اختلاف روایات 543ھ یا 544ھ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام عمر تھا لیکن ضیاء الدین کے نام سے مشہور ہوئے۔ رازی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے ہی حاصل کی پھر کئی دوسرے علماء وقت سے کسب فیض کیا۔ علم التفسیر، علم الکلام، علوم عقلیہ، لغت و فلسفہ، علم الافلاک اور کئی دوسرے علوم میں مہارت حاصل کی۔ فارسی اور عربی پر یکساں عبور تھا۔ تصنیف و تالیف اور خطابت پر ملکہ حاصل تھا۔ دوران خطابت وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی اور کئی دفعہ رو پڑتے۔

تصنیف و تالیف:

بہت سی تصانیف میں سے چند ایک مشہور تصانیف درج ذیل ہیں۔

۱۔ مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر)

۲۔ کتاب البیان والبرہان۔

۳۔ المحصول فی اصول الفقہ۔

۴۔ شرح عیون الحکمت۔

۵۔ السر المکنون۔

۶۔ الشرح المفصل۔

وفات:

آپ کا انتقال 606ھ میں ہوا۔

تفسیر کبیر کا اسلوب

۱۔ کثرت فنون:

رازی نے اپنی تفسیر میں بہت سے فنون پر قلم اُٹھایا ہے۔کلامی بحثیں اور فلسفہ بھی ہے ریاضی اور علم الافلاک پر بھی گہری نظر کی ہے۔

۲۔ ذخیرہ معلومات:

رازی اپنی تفسیر کو گنجینہ معلومات بنانا چاہتا تھے۔چنانچہ آپ نے اپنی تفسیر میں جس موضوع کو بھی شروع کیا اس میں یہی کوشش کی کہ جس قدر معلومات جمع ہو سکیں جمع کر دی جائیں۔

۳۔ آیات احکام:

آیات احکام کی تفصیل میں امام رازی شافعیت کے حق میں مائل نظر آتے ہیں اور دلائل و براہین کے ساتھ امام شافعی کے مسلک کو ثابت کرنے کوشش کرتے ہیں۔

۴۔ ربط آیات وسور:

رازی نے ربط آیات وسورت کا خاص اہتمام کیا ہے۔ایک سورت کے اختتام کے ساتھ دوسری سورت کے آغاز کے تعلق کو بھی با دلائل واضح کرتے ہیں۔

۵۔ اشعریت:

آپ اپنی تفسیر میں معتزلی فرقے پر جا بجا تنقید کرتے ضرور نظر آتے ہیں لیکن جس شد و مد کے ساتھ معتزلہ کا اعتراض نقل کرتے ہیں اس زوردار انداز میں اس کا اہلسنت کی طرف سے جواب نہیں دیتے۔معتزلہ کے رد میں اشعریت کی حمایت کرتے ہیں۔

امام رازی نے اپنی تفسیر میں حکماء کا طرز انداز اختیار کیا ہے۔ان ہی کی طرح کلامی اور منطقی دلائل پیش فرمائے ہیں۔اس تفسیر میں قرآن مجید کے معانی کی جو تشریح اور آیات قرآنی کے باہمی ربط کو جس انداز سے بیان کیا ہے وہ قابل قدر محنت ہے۔البتہ کلامی بحثوں اور باطل فرقوں کی تردید پر طویل بحثوں کی وجہ سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ:

فِیهِ کُلِ شَیءٍ اِلا التفسیر (اس کتاب میں تفسیر کے سوا سب کچھ ہے)

لیکن یہ تبصرہ تفسیر کبیر پر بہت بڑی زیادتی ہے اور حقیقت وہی ہے جو اُوپر بیان ہوئی ہے کہ یہ تفسیر حل قرآن کے لحاظ سے بھی بہت قیمتی خزانہ ہے۔

تفسیر کبیر کی تکمیل کے حوالے سے علماء کرام کے دو اقوال ہیں۔اول یہ کہ ابتدا سے آخر تک تمام کتاب امام رازی کی لکھی ہوئی ہے۔دوم یہ کہ ابتدا سے سورۃ الانبیاء/ فتح تک تو مولانا موصوف نے خود لکھی ہے ۔پھر مولانا موصوف کی وفات کے بعد سورۃ فتح سے آخر تک قاضی شہاب الدین بن خلیل دمشقی یا شیخ نجم الدین احمد بن محمد نے اس کی تکمیل کی۔البتہ اگر مختلف شواہد کو مدنظر رکھا جائے تو قرین قیاس صورت یہ بنتی ہے کہ نامکمل کام کی تکمیل میں پہلے شہاب الدین بن خلیل نے کام کیا اور آخر پر شیخ نجم الدین احمد بن محمد نے کام کو پایا تکمیل تک پہنچایا۔

لیکن کمال یہ ہے کہ مکمل کرنے والے احباب نے امام رازی کے انداز سحر یہ کو اسی طرح برقرار رکھا ہے کہ اگر کسی کو یہ حقیقت معلوم نہ ہو تو وہ کبھی یہ شبہ نہیں کرسکتا کہ یہ امام رازی کے سوا کسی کی تحریر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تفسیر کبیر قرآنی آیات اور اسلام احکام کے اسرار وحکم رموز وغواض کا بہترین حل پیش کرتی ہے۔لیکن تفسیری روایات میں امام رازی بھی دوسرے مفسرین کی طرح رطب و یابس کے جمع کرنے سے اپنے دامن کو نہیں بچا سکے۔

☆☆☆

تفسیر المراغی

تفسیر المراغی دور جدید کے نامور مفسر شیخ محمد مصطفیٰ المراغی (م 1945ء) کا ایک خوبصورت شاہکار ہے۔ شیخ المراغی نے اپنی تفسیر قرآن کو مکمل کرنے کے سلسلہ میں اپنے استاد شیخ محمد عبدہ کا طریقہ کار اختیار کیا اور اُسی راستے پر گامزن رہے۔ آپ کا اسلوب اور انداز بہت منفرد ہے۔ آیات قرآنیہ کی تفسیر میں آپ نے نہ تو مبہمات قرآن کی تعین و تفصیل کی فکر کی اور نہ ہی آپ نے ان جزئیات کی تفصیل بیان کی ہے جن سے قرآن نے خاموشی اختیار کی ہے۔ بلکہ اس کے برعکس آپ نے کوشش کی ہے کہ آیات و سور کی اتنی ہی تفسیر کی جائے جتنا کے ثابت اور تسلیم شدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی مرتب کی گئی تفسیر قرآن بالقرآن ہے اور یہی اس تفسیر کی وجہ امتیاز بھی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے ضعیف اور موضوع روایات احادیث نیز اسرائیلی روایات سے بھی اپنی تفسیر کو دور رکھا ہے۔ مثلاً

وَ سَارِعُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَاالسَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ.

اور دوڑو بخشش کی طرف اپنے رب کی اور جنت کی طرف، جس کا عرض ہی آسمان اور زمین تیار ہوئی ہے واسطے پرہیز گاروں کے۔

(آل عمران 133)

''یہ آیت اس بات پر روشنی ڈالتی ہے کہ جنت اس وقت تیار ہے اس لئے کہ فعل ماضی کا تقاضا یہی ہے کہ زمانہ گزشتہ میں یہ کام انجام پا چکا ہے۔ اس امر کا بھی احتمال ہے کہ ماضی کا صغیہ مستقبل کے معنی میں ہو جیسے یہ آیت کہ

وَّ نُفِخَ فِى الصُّوْرِ. (الکہف:99)

پھونک ماریں گے صور میں

اندریں صورت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جہنم کی تخلیق ہو چکی ہے مگر یہ بحث بے کار ہے، اس سے کچھ

حاصل نہیں ہوتا۔''

(الدرس الدینیہ، تفسیر المراغی، آل عمران: 123)

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَۃَ.

اور ہم نے دی لقمان کو عقلمندی

(لقمان: 12)

امام مراغی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

''لقمان'' کے بارے میں مختلف اقوال ہیں ''اُن کا تعلق بنی اسرائیل کے ساتھ تھا، وہ حبشی غلام تھے ، وہ مصر کے سیاہ فام حبشی تھے، یونانی الاصل تھے، وہ بڑھئی تھے، وہ بکریاں چرایا کرتے تھے، وہ نبی تھے، وہ فلسفی تھے۔ مگر یہ سب اقوال ناقابل اعتماد ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو صاحب الحکمت قرار دے دیا ہے تو اس سے ان کی شان میں کچھ اضافہ نہیں ہوتا کہ آپ کا حسب نسب بہت اچھا ہو۔''

(برصغیر میں قرآن فہمی کا تنقیدی جائزہ، تفہیم القرآن، ڈوگرز اسلامیات)

☆☆☆

منتخب آیات

قرآنِ مجید فرقانِ حمید

مع

ترجمہ و مختصر تفسیر

سورة البقرة

آیت نمبر 285-286

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ بِمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِ مِنۡ رَّبِّهٖ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ
مَلٰٓـئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ اَحَدٍ مِّنۡ رُّسُلِهٖ وَقَالُوۡا سَمِعۡنَا وَاَ
طَعۡنَا غُفۡرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيۡكَ الۡمَصِيۡرُ. ٢٨٥ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا ؕ
لَهَا مَا كَسَبَتۡ وَعَلَيۡهَا مَا اكۡتَسَبَتۡ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذۡنَآ اِنۡ نَّسِيۡنَآ اَوۡ اَخۡطَاۡنَا رَبَّنَا
وَلَا تَحۡمِلۡ عَلَيۡنَآ اِصۡرًا كَمَا حَمَلۡتَهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلۡنَا مَا لَا
طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَ اعۡفُ عَنَّا وَاغۡفِرۡ لَنَا وَارۡحَمۡنَا اَنۡتَ مَوۡلٰٮنَا فَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ
الۡكٰفِرِيۡنَ. ٢٨٦

ترجمہ:

مان لیا رسول نے جو کچھ اترا اس پر اس کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے بھی، سب نے مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو۔ کہتے ہیں کہ ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے پیغمبروں میں سے، کہہ اُٹھے کہ ہم نے سنا اور قبول کیا تیری بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے رب اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی کو مگر جس قدر اس کی گنجائش ہے، اسی کو ملتا ہے جو اس نے کمایا اور اسی پر پڑتا ہے جو اس نے کیا، اے ہمارے رب! ہم سے بھول چوک میں جو قصور ہو جائیں، ان پر گرفت نہ کر۔ مالک ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال، جو تم نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالے تھے۔ پروردگار! جس بار کو اُٹھانے کی طاقت ہم میں

نہیں ہے، وہ ہم پر نہ رکھ، ہمارے ساتھ نرمی کر، ہم سے درگزر فرما، ہم پر رحم کر، تو ہمارا مولیٰ ہے، کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔

تفسیر آیات:

آیت نمبر 285:

ان دو آیات کی معنوی خصوصیات تو بہت ہیں لیکن ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ سورۃ البقرۃ میں تمام احکام شرعیہ اجمالاً وتفصیلاً کر دیئے گیے ہیں، اعتقادات، عبادات معاملات، اخلاق، معاشرت وغیرہ۔ آخری دو آیتوں میں سے پہلی آیت میں اطاعت شعار مومنین کی مدح کی گئی ہے جنہوں نے اللہ جل شانہ کے تمام احکام پر لبیک کہا، اور تعمیل کے لیے تیار ہو گئے اور دوسری آیت میں ایک شبہ کا جواب دیا گیا جو ان دو آیتوں سے پہلی آیت میں صحابہ کرام کو پیدا ہو گیا تھا اور ساتھ ہی اپنے فضل ورحمت بے حساب کا ذکر فرمایا گیا۔

پہلی آیت میں تفصیلات سے قطع نظر کر کے اسلام کے عقائد اور اسلامی طرز عمل کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے: اللہ کو،اس کے فرشتوں کو، اس کی کتابوں کو ماننا، اس کے تمام رسولوں کو تسلیم کرنا بغیر اس کے کہ ان کے درمیان فرق کیا جائے (یعنی کسی کو مانا جائے اور کسی کو نہ مانا جائے)۔اور اس امر کو تسلیم کرنا کہ آخر کار ہمیں اس کے حضور حاضر ہونا ہے۔ یہ پانچ امور اسلام کے بنیادی عقائد ہیں۔ ان عقائد کو قبول کرنے کے بعد ایک مسلمان کے لیے صحیح طرز عمل یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جو حکم پہنچے، اُسے وہ بسر وچشم قبول کرے، اس کی اطاعت کرے، اور اپنے حسن عمل پر غرور نہ کرے بلکہ اللہ سے عفو ودرگزر کی درخواست کرتا رہے۔

ان دونوں آیات کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں رات کو پڑھ لیتا ہے تو یہ اس کو کافی ہو جاتی ہیں'' (صحیح بخاری) یعنی اس عمل کی بدولت اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی شب جو تین چیزیں ملیں، ان میں سے ایک سورہ بقرہ کی یہ آخری دو آیات ہیں۔ (مسلم) کئی روایات میں یہ بھی وارد ہے کہ اس سورہ کی آخری آیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خزانے سے عطا کی گئیں جو عرش الٰہی کے نیچے ہے اور یہ آیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ (احمد، نسائی، طبرانی) ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دو آیتیں جنت کے خزائن میں سے نازل فرمائی

ہیں جس کو تمام مخلوق کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے خود رحمٰن نے اپنے ہاتھ سے لکھ دیا تھا، جو شخص ان کو عشاء کی نماز کے بعد پڑھ لے تو وہ اس کے لیے قیام اللیل یعنی تہجد کے قائم مقام ہو جاتی ہیں۔ جبکہ مستدرک اور بیہقی کی روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ نے سورہ بقرہ کو ان دو آیات پر ختم فرمایا ہے جو مجھے اس خزانہ خاص سے عطا فرمائی ہیں جو عرش کے نیچے ہے اس لیے تم خاص طور پر ان آیتوں کو سیکھو اور اپنی عورتوں اور بچوں کو سکھاؤ۔ (معارف القرآن، تفہیم القرآن، تفسیر عثمانی)

آیت نمبر 286:

اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ یعنی اللہ کے ہاں انسان کی ذمہ داری اس کی قوت وحیثیت کے لحاظ سے ہے۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ بندہ ایک کام کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو اور اللہ اس سے باز پرس کرے کہ تو نے فلاں کام کیوں نہ کیا۔ یا ایک چیز سے بچنا فی الحقیقت اس کی طاقت سے باہر ہو اور اللہ اس پر مواخذہ کرے کہ تو نے اس سے پرہیز کیوں نہ کیا۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اپنی مقدرت کا فیصلہ کرنے والا انسان خود نہیں ہے۔ اس کا فیصلہ اللہ ہی کرسکتا ہے کہ ایک شخص فی الحقیقت کس چیز کی قدرت رکھتا تھا اور کس چیز کی نہ رکھتا تھا۔

یہ اللہ کے قانون مجازات کا دوسرا قاعدہ کلیہ ہے۔ ہر آدمی انعام اُسی خدمت پر پائے گا جو اس نے خود انجام دی ہو۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک شخص کی خدمات پر دوسرا انعام پائے اور اسی طرح ہر شخص اسی قصور میں پکڑا جائے گا جس کا وہ خود مرتکب ہوا ہو۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک کے قصور میں دوسرا پکڑا جائے۔ ہاں یہ ضرور ممکن ہے کہ ایک آدمی نے کسی نیک کام کی بنیاد رکھی ہو اور دنیا میں ہزاروں سال تک اس کے اثرات چلتے رہیں اور یہ سب اس کے کارنامے میں لکھے جائیں اور دوسرے شخص نے کسی برائی کی بنیاد رکھی ہو اور صدیوں تک دنیا میں اس کا اثر جاری رہے اور وہ اس ظالم کے حساب میں درج ہوتا رہے۔ لیکن یہ اچھا یا برا، جو کچھ بھی پھل پائے گا، اسی کی سعی اور اسی کے کسب کا نتیجہ ہوگا۔ بہرحال یہ ممکن نہیں ہے کہ جس بھلائی یا جس برائی میں آدمی کی نیت اور سعی وعمل کا کوئی حصہ نہ ہو، اس کی جزا یا سزا اسے مل جائے۔ مکافات عمل کوئی قابل انتقال چیز نہیں ہے۔

آگے بیان کیا گیا ہے کہ ہمارے پیش رووں کو تیری راہ میں جو آزمائشیں پیش آئیں، جن زبردست ابتلاؤں سے وہ گزرے، جن مشکلات سے انہیں سابقہ پڑا، ان سے ہمیں بچا۔ اگرچہ اللہ کی سنت یہی رہی ہے کہ جس نے بھی حق وصداقت کی پیروی کا عزم کیا ہے، اسے سخت آزمائشوں اور فتنوں سے دوچار

ہونا پڑا ہے اور جب آزمائشیں پیش آئیں تو مومن کا کام یہی ہے کہ پورے استقلال سے ان کا مقابلہ کرے۔ لیکن بہرحال مومن کو اللہ سے دعا یہی کرنی چاہیے کہ وہ اس کے لیے حق پرستی کی راہ کو آسان کردے۔

یعنی مشکلات کا اتنا ہی بار ہم پر ڈال، جسے ہم سہار لیں۔ آزمائشیں بس اتنی ہی بھیج کہ ان میں ہم پورے اُتر جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری قوت برداشت سے بڑھ کر سختیاں ہم پر نازل ہوں اور ہمارے قدم راہ حق سے ڈگمگا جائیں۔

اس دعا کی پوری روح کو سمجھنے کے لیے یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ یہ آیات ہجرت سے تقریباً ایک سال پہلے معراج کے موقع پر نازل ہوئیں تھیں، جبکہ مکے میں کفر و اسلام کی کشمکش اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی، مسلمانوں پر مصائب و مشکلات کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے، اور صرف مکہ میں ہی نہیں بلکہ سرزمین عرب پر کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں کسی بندہ خدا نے دین حق کی پیروی اختیار کی ہو اور اس کے لیے خدا کی سرزمین پر سانس لینا دشوار نہ کر دیا گیا ہو۔ ان حالات میں مسلمانوں کو تلقین کی گئی کہ اپنے مالک سے اس طرح دعا مانگا کرو۔ ظاہر ہے کہ دینے والا خود ہی جب مانگنے کا ڈھنگ بتائے تو ملنے کا یقین خود ہی پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے یہ دعا اس وقت مسلمانوں کے لیے غیر معمولی تسکین قلب کا باعث ہوئی۔ علاوہ ازیں اس دعا میں مسلمانوں کو یہ بھی تلقین کر دی گئی کہ وہ اپنے جذبات کو کسی نامناسب رخ پر نہ بہنے دیں بلکہ انہیں اس دعا کے سانچے میں ڈال لیں۔ ایک طرف ان روح فرسا مظالم کو دیکھیے جو محض حق پرستی کے جرم میں ان لوگوں پر توڑے جا رہے تھے اور دوسری طرف اس دعا کو دیکھیے جس میں دشمنوں کے خلاف کسی تلخی کا شائبہ تک نہیں۔ ایک طرف اُن جسمانی تکلیفوں اور مالی نقصانات کو دیکھیے جن میں یہ لوگ مبتلا تھے اور دوسری طرف اس دعا کو دیکھیے جس میں کسی دنیاوی مفاد کی طلب کا ادنیٰ نشان تک نہیں ہے۔ ایک طرف ان حق پرستوں کی انتہائی خستہ حالی کو دیکھیے دوسری طرف اُن بلند اور پاکیزہ جذبات کو دیکھیے جن سے یہ دعا لبریز ہے۔ اس تقابل سے ہی صحیح اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت اہل ایمان کو کس طرز کی اخلاقی اور روحانی تربیت دی جا رہی تھی۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْمَآئِدَة

آیت نمبر 93-90

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ
مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ. ۹۰ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ
بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنِ
الصَّلٰوۃِ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ. ۹۱ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا فَاِنْ
تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ. ۹۲ لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ
اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۹۳

ترجمہ:

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔

شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں خدا کی یاد اور نماز سے روک دے پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے؟

اور اللہ اور اس کے رسول کی بات مانو اور باز آجاؤ، لیکن اگر تم نے حکم عدولی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول پر بس صاف صاف حکم پہنچا دینے کی ذمہ داری تھی۔

جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرنے لگے انہوں نے پہلے جو کچھ کھایا پیا تھا اس پر کوئی گرفت نہ ہوگی بشرطیکہ وہ آئندہ ان چیزوں سے بچے رہیں جو حرام کی گئی ہیں اور ایمان پر ثابت قدم رہیں اور کام کریں، پھر جس جس چیز سے روکا جائے اس سے رکیں اور فرمان الٰہی ہو اسے مانیں۔ پھر خدا ترسی کے ساتھ نیک رویہ رکھیں اور اللہ نیک کردار لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔

تفسیر آیات:

آیت نمبر 90:

اس آیت میں چار چیزیں قطعی طور پر حرام کی گئی ہیں ایک شراب دوسری قمار بازی (جوا)، تیسرے وہ مقامات جو خدا کے سوا کسی دوسرے کی عبادت یا خدا کے سوا کسی اور کے نام پر قربانی اور نذر و نیاز چڑھانے کے لیے مخصوص کیے گئے ہیں، چوتھے پانسے۔ شراب کی حرمت کے سلسلے میں اس آیت سے پہلے دو حکم آچکے تھے جو سورہ بقرہ آیت نمبر 219 اور سورہ نساء کی آیت نمبر 43 میں بیان کیے گئے ہیں۔ اب اس آخری حکم کے آنے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں لوگوں کو متنبہ فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ کو شراب سخت ناپسند ہے، بعید نہیں کہ اس کی قطعی حرمت کا حکم آجائے، لہذا جن جن لوگوں کے پاس شراب موجود ہے وہ اسے فروخت کردیں۔ اس کی کچھ مدت بعد یہ آیت نازل ہوئی اور آپ نے اعلان کرایا کہ جن کے پاس شراب ہے وہ اسے نہ پی سکتے ہیں نہ بیچ سکتے ہیں بلکہ وہ اسے ضائع کردیں۔ چنانچہ اسی وقت مدینہ کی گلیوں میں شراب بہادی گئی۔ بعض لوگوں نے پوچھا ہم یہودیوں کو تحفہ میں کیوں نہ دے دیں؟ آپ نے فرمایا جس نے یہ چیز حرام کی ہے اُس نے اسے تحفہ دینے سے بھی منع کردیا ہے۔ بعض لوگوں نے پوچھا ہم شراب کو سرکہ میں کیوں نہ تبدیل کردیں۔ آپؐ نے اس سے بھی منع فرمایا اور حکم دیا کہ نہیں اسے بہادو۔ ایک صاحب نے بااصرار دریافت کیا کہ دوا کے طور پر تو اجازت ہے؟ فرمایا نہیں وہ دوا نہیں بلکہ بیماری ہے۔ ایک اور آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم ایک ایسے علاقے کے رہنے والے ہیں جو نہایت سرد ہے اور ہمیں محنت بھی بہت کرنا پڑتی ہے ہم لوگ شراب سے تکان اور سردی کا مقابلہ کرتے ہیں۔ آپؐ نے پوچھا جو چیز تم پیتے ہو وہ نشہ کرتی ہے؟ اُنہوں نے عرض کیا، ہاں۔ فرمایا تو اس سے پرہیز کرو، انہوں نے عرض کیا مگر ہمارے علاقے کے لوگ تو نہیں مانیں گے، فرمایا اگر وہ نہ مانیں تو ان سے جنگ کرو۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی شراب پر، اور اس کے پینے والے پر، اور اس کے پلانے والے پر، اور بیچنے والے پر اور خریدنے والے پر اور کشید کرنے والے پر اور کشید کرانے والے پر اور ڈھو کر لے جانے والے پر اور اُس شخص پر جس کے لیے وہ ڈھو کر لے جائی گئی ہو۔''

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دسترخوان پر کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے جس پر شراب پی جا رہی ہو۔''

ابتداً آپ نے اُن برتنوں تک کے استعمال کو منع فرمادیا تھا جن میں شراب بنائی اور پی جاتی تھی۔ بعد میں جب شراب کی حرمت کا حکم پوری طرح نافذ ہو گیا تب آپ نے برتنوں پر سے یہ قید اُٹھادی۔

نبیؐ نے حرمت کے اس حکم کو تمام ان چیزوں پر بھی عام قرار دیا جو نشہ پیدا کرنے والی ہیں چنانچہ احادیث میں آپؐ کے واضح ارشادات ملتے ہیں:

کل مسکر خمرو کل مسکر حرام . ''ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔''

کل شراب اسکر فھو حرام ''ہر وہ مشروب جو نشہ پیدا کرے حرام ہے''**وانا انھی عن کل مسکر** ''اور میں ہر نشہ آور چیز سے منع کرتا ہوں''۔

نیز نبیؐ نے یہ اصول بھی بیان فرمادیا کہ: ''جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ پیدا کرے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔''

میسر سے مراد جوا ہے، شراب اور جوا وہ باطل چیزیں ہیں جن کو اختیار کر کے انسانوں میں بغض و دشمنی جنم لیتی ہے، اس لیے ان سے منع فرمایا۔ انصاب سے مراد وہ پتھر ہیں جن کی عبادت کرتے تھے اور ازلام سے مراد ان تیروں کے ذریعے فال کا نکالنا جن پر ''لا'' اور ''نعم'' لکھا ہوتا تھا۔ شراب اور جوئے کی حرمت کا ذکر عیسائیت کے بیان میں لا کر یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ عیسائی جنہوں نے ایک وقت میں رہبانیت اختیار کر کے حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر دیا۔ ایک دوسرا وقت آنے والا ہے کہ وہ دنیا میں اس قدر غرق اور خدا سے دور ہو جائیں گے کہ حرام کو بھی حلال کر لیں گے۔ اس لیے مسلمانوں کو شراب اور جوئے سے بلخصوص روکا ہے۔

شراب اور جوئے کے ساتھ بت پرستی کو لانا اس طرف اشارہ ہے کہ جیسے شراب وغیرہ کی حرمت ہے ویسے ہی ان کی حرمت ہے۔

آیت نمبر 91:

جن قوموں نے شراب اور جوئے میں ترقی کی ہے اللہ کے نام تک کو بھول گئی ہیں۔ ذکر تو ایک طرف رہا۔ اور پھر ظاہراً نقصان یہ بھی ہے کہ شراب اور جوئے باہم عداوت اور بغض پیدا ہوتا ہے۔

آیت نمبر 92:

اس آیت میں اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور منع کردہ چیزوں سے رک جانے کا ذکر کیا گیا ہے نیز یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کا حکم آجانے اور رسول اللہ ؐ کے حکم پہنچا دینے کے بعد اگر کوئی نافرمانی کی روش کو اختیار کرتا اور حکم عدولی کرتا ہے تو رسولوں کا کام صرف حکم کو پہنچا دینا ہے۔

آیت نمبر 93:

شراب کی صریح حرمت سے ماقبل نیک عمل کرنے والے مومن جو شراب استعمال کر چکے تھے وہ مواخذہ سے بری الذمہ قرار پائے۔ بشرطیکہ اپنے ایمان اور اعمال صالح میں تین مدارج طے کرلیں؛ پہلا درجہ اپنے نفس کے ساتھ یعنی تقویٰ اور ایمان پر قائم رہ کر عمل صالح کیے۔ دوم اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ ہے کہ ان کے حقوق کی نگہداشت کی اور ایمان پر قائم رہے۔ سوم درجہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے کہ حقوق اللہ کی نگہداشت کی اور ایمان کو احسان کے درجے تک پہنچایا۔ احسان کا درجہ جیسا کہ رسول اللہ ؐ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو یا یہ کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اس درجہ کے لوگ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جب شراب حرام قرار دی گئی تو بہت سے اصحاب کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ حرمت سے پہلے جن لوگوں نے شراب استعمال کی اُن کا کیا ہوگا۔ ان میں سے کچھ دنیا سے رخصت ہو چکے تھے جبکہ کچھ لوگ باقی تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مومنین کامل کو تسلی دی گئی کہ ان کا خاتمہ ایمان و تقویٰ پر ہوا ہے کیونکہ شراب اس وقت تک حرام نہیں ہوئی تھی۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْاَنْعَام

آیت نمبر 98-95

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى يُخْرِجُ الْحَىَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ٩٥ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ٩٦ وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِىْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ٩٧ وَهُوَ الَّذِىْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ٩٨

ترجمہ:

بے شک اللہ دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے، وہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور وہی مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے۔ یہ سارے کام کرنے والا اللہ ہے پھر تم کہاں بہکے چلے جا رہے ہو؟

تاریکی چاک کر کے وہی صبح نکالتا ہے ۔اُسی نے رات کو سکون کا وقت بنایا ہے۔اُسی نے چاند اور سورج کے طلوع وغروب کا حساب مقرر کیا ہے۔ یہ سب اُسی زبردست قدرت اور علم رکھنے والے کے ٹھہرائے ہوئے اندازے ہیں۔

اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے تاروں کو صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ معلوم کرنے کا ذریعہ بنایا۔ دیکھو ہم نے نشانیاں کھول کر بیان کر دی ہیں اُن لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔

اور وہی ہے جس نے ایک جان سے تم کو پیدا کیا پھر ہر ایک کے لیے ایک جائے قرار ہے اور ایک اس کے سونپے جانے کی جگہ۔ یہ نشانیاں ہم نے واضح کر دی ہیں اُن لوگوں کے لیے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔

تفسیر:

آیت نمبر 95:

اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْن. اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی بے مثال قدرت اور کاریگری کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ دانے (حب) اور گٹھلی (نوا، جمع نوی) کو، جسے کاشت کار زمین کی تہہ میں دبا دیتا ہے، پھاڑ کر اس سے انواع واقسام کے درخت پیدا فرماتا ہے۔ زمین ایک ہوتی ہے، پانی بھی، جس سے کھیتیاں سیراب ہوتی ہیں، ایک ہی ہوتا ہے۔ لیکن جس جس چیز کے وہ دانے یا گٹھلیاں ہوتی ہیں۔ اس کے مطابق ہی اللہ تعالیٰ مختلف قسم کے غلوں اور پھلوں کے درخت ان سے پیدا فرما دیتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا بھی کوئی ہے جو یہ کام کرتا ہو یا کر سکتا ہو؟

یعنی وہ دانے اور گٹھلیوں سے درخت اگا دیتا ہے جس میں زندگی ہوتی ہے اور وہ بڑھتا، پھیلتا اور پھل یا غلہ دیتا ہے یا وہ خوشبودار، رنگ برنگ کے پھول ہوتے ہیں جن کو دیکھ یا سونگھ کر انسان فرحت وانبساط محسوس کرتا یا نطفے اور انڈے سے انسان اور حیوانات پیدا کرتا ہے۔

یعنی حیوانات سے انڈے، جو مردہ کے حکم میں ہیں، حی اور میت کی تعبیر مومن اور کافر سے بھی کی گئی ہے، یعنی مومن کے گھر میں کافر اور کافر کے گھر میں مومن پیدا کرتا ہے۔

آیت نمبر 96:

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّیْلَ سَکَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْم. اندھیرے اور روشنی کا خالق بھی وہی ہے۔ وہ رات کی تاریکی سے صبح روشن پیدا کرتا ہے جس سے ہر چیز روشن ہو جاتی ہے۔

یعنی رات کو تاریکیوں میں بدل دیتا ہے تا کہ لوگ روشنی کی تمام مصروفیات ترک کر کے آرام کر سکیں

۔یعنی دونوں کے لیے ایک حساب بھی مقرر ہے جس میں کوئی تغیر واضطراب نہیں ہوتا، بلکہ دونوں کی اپنی اپنی منزلیں ہیں، جن پر وہ گرمی اور سردی میں رواں رہتے ہیں۔جس کی بنیاد پر سردی میں دن چھوٹے اور راتیں لمبی اور گرمی میں اس کے برعکس دن لمبے اور راتیں چھوٹی ہو جاتی ہیں۔

آیت نمبر 97:

وَهُوَالَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَافِىْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ط قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْن . اس آیت میں ستاروں کا ایک فائدہ اور مقصد بیان کیا گیا ہے، ان کے دو مقاصد اور ہیں جو دوسرے مقام پر بیان کیے گئے ہیں۔آسمانوں کی زینت اور شیطانوں کی مرمت۔رُجُومًا لِّلشَّيٰطِيْن ۔یعنی شیطان آسمان پر جانے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ ان پر شعلہ بن کر گرتے ہیں۔بعض سلف کا قول ہے ان تین باتوں کے علاوہ ان ستاروں کے بارے میں اگر کوئی شخص کوئی اور عقیدہ رکھتا ہے تو وہ غلطی پر ہے اور اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ہاں جو علم نجوم کا چرچا ہے جس میں ستاروں کے ذریعے سے مستقبل کے حالات اور انسانی زندگی یا کائنات میں ان کے اثرات بتانے کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ بے بنیاد بھی ہے اور شریعت کے خلاف بھی۔چنانچہ ایک حدیث میں اسے جادو کا ہی ایک شعبہ قرار دیا گیا ہے۔

آیت نمبر 98:

وَ هُوَالَّذِىْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ط قَدْفَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ . اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ذکر ہے کہ وہی اللہ ہے جس نے سب انسانوں کو ایک شخص سے پیدا کیا ہے (یہاں شخص سے مراد حضرت آدمؑ ہیں) جن سے انسانوں کا سلسلہ شروع ہوا اکثر مفسرین کے نزدیک مُسْتَقَر سے مراد رحم مادر او مُسْتَوْدَع سے مراد صلب پدر ہے۔مُسْتَقَر ٹھہرنے کی جگہ جسے ٹھکانا کہا اور مُسْتَوْدَع سپرد کرنے اور امانت رکھنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔مفسرین کا اس کے معنوں کے تعین میں اختلاف ہے البتہ موضح القران میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس طرح ہے کہ اول سپرد ہوتا ہے ماں کے پیٹ میں کہ آہستہ آہستہ دنیا کے اثر پیدا کرے پھر آ کر ٹھہرتا ہے دنیا میں پھر سپرد ہوگا قبر میں کہ آہستہ آہستہ اثر آخرت کے پیدا کرے پھر جا ٹھہرے گا جنت میں یا دوزخ میں۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الرَّعْدُ

آیت نمبر 12-15

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

هُوَالَّذِىْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًاوَّطَمَاًوَّيُنْشِیءُ السَّحَابَ الثِّقَالَ . ١٢ وَ
يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُمِنْ خِيْفَتِهٖ وَ يُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ
يَّشَآءُ وَ هُمْ يُجَادِلُوْنَ فِى اللّٰهِ وَهُوَشَدِيْدُالْمِحَالِ. ١٣ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَ
الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَیْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ
لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ وَمَادُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّافِىْ ضَلٰلٍ ١٤ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ
فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًاوَّكَرْهًاوَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّوَالْاٰصَالِ ١٥

(آیتِ سجدۃ)

ترجمہ:

وہی ہے جوتمہارے سامنے بجلیاں چمکاتا ہے جنہیں دیکھ کرتمہیں اندیشے بھی لاحق ہوتے ہیں اور اُمیدیں بھی بندھتی ہیں۔وہی ہے جو پانی سے لدے ہوئے بادل اُٹھاتا ہے۔

بادلوں کی گرج اس کی حمد کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتی ہے اور فرشتے اس کی ہیبت سے لرزتے ہوئے اس کی تسبیح کرتے ہیں۔وہ کڑکتی ہوئی بجلیوں کو بھیجتا ہے اور (بسا اوقات) اُنہیں جس پر چاہتا ہے عین اس حالت میں گرادیتا ہے جبکہ لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑ رہے ہوتے ہیں۔فی الواقع اس کی چال بڑی زبردست ہے۔

اُسی کو پکارنا برحق ہے، رہیں وہ دوسری ہستیاں جنہیں اس کو چھوڑ کر یہ لوگ پکارتے ہیں، وہ اُن کی دعاؤں کا کوئی جواب نہیں دے سکتیں۔ اُنہیں پکارنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص پانی کی طرف ہاتھ پھیلا کر اُس سے درخواست کرے کہ تو میرے منہ تک پہنچ جا، حالانکہ پانی اُس تک پہنچنے والا نہیں، بس اسی طرح کافروں کی دعائیں بھی کچھ نہیں ہیں مگر ایک تیر بے ہدف۔

وہ تو اللہ ہی ہے جس کو زمین و آسمان کی ہر چیز خوشی سے خواہ مجبوری سے سجدہ کر رہی ہے اور سب چیزوں کے سائے صبح و شام اس کے آگے جھکتے ہیں۔

تفسیر آیات:

آیت نمبر 12:

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ.. یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے جو تمہیں برق و بجلی دکھاتا ہے جو انسان کے لیے خوف بھی بن سکتی ہے کہ جہاں پڑ جائے سب کچھ جلا کر بھسم کر دے اور اُمید بھی کہ بارش آئے گی جو انسان اور حیوانات کے لیے زندگی کا سہارا ہے۔ اور وہی ذات پاک ہے جو سمندر سے بڑے بڑے بادل مون سون بنا کر اُٹھاتا ہے اور پھر ان بھرے ہوئے بادلوں کو بڑی تیزی کے ساتھ فضا میں کہیں سے کہیں لے جاتا ہے۔ اور اپنے حکم قضا و قدر سے جس جگہ چاہتا ہے برساتا ہے۔ معلوم ہوا کہ خدا کی ذات شان انعام و انتقام دونوں کی جامع ہے۔ اسی مناسبت سے یہاں بعض ایسے نشان ہائے قدرت کی طرف توجہ دلائی جن میں بیک وقت اُمید و خوف کی دو متضاد کیفیتیں پیدا کرنے کی صلاحیت ہے، بھاری بادل پانی کے بھرے ہوئے آتے ہیں تو خوشی ہوتی ہے کہ باران رحمت کا نزول ہوگا ساتھ ہی فکر رہتی ہے کہ پانی کا طوفان نہ آجائے۔ ٹھیک اسی طرح انسان کو چاہیے کہ رحمت الٰہی کا اُمیدوار رہے مگر مکر اللہ سے مامون اور بے فکر نہ ہو۔

آیت نمبر 13:

وَ یُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِیْفَتِهٖ ... یعنی گرجنے والا بادل یا رعد (فرشتہ) زبان حال یا قال سے حق تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرتا ہے اور تسبیح پڑھتے ہیں فرشتے اس کے خوف سے۔ رعد عرف و محاورہ میں بادل کی آواز کو کہا جاتا ہے جو بادلوں کے باہمی ٹکراؤ سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کے تسبیح پڑھنے سے

مراد وہی تسبیح ہے جس کے متعلق قرآن کریم کی ایک دوسری آیت میں آیا ہے کہ زمین و آسمان میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی حمد وثناء بیان نہ کرتی ہو لیکن یہ تسبیح عام لوگ سن نہیں سکتے۔ اور بعض روایات حدیث میں رعد اُس فرشتے کا نام ہے جو بارش برسانے پر مامور ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے تسبیح پڑھنا ظاہر ہے۔

قرآن مجید کی سورہ بنی اسرائیل (رکوع ۵) میں ارشاد ہے ''اور تمام فرشتے ہیبت وخوف کے ساتھ اس کی حمد وثنا اور تسبیح وتمجید میں مشغول رہتے ہیں۔''

وَ يُرۡسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيۡبُ بِهَا مَنۡ يَّشَآءُ ... صواعق، صاعقہ کی جمع ہے۔ زمین پر گرنے والی بجلی کو صاعقہ کہا جاتا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو زمین پر بجلیاں بھیجتا ہے جن کے ذریعے جس کو چاہتا ہے جلا دیتا ہے۔

وَ هُمۡ يُجَادِلُوۡنَ فِى اللّٰهِ وَهُوَ شَدِيۡدُالۡمِحَال.. لفظ محال حیلہ وتدبیر کے معنی میں ہے اور عذاب وعقاب کے معنی میں بھی۔ اور قدرت کے معنی میں بھی۔ معنی آیت کے یہ ہیں کہ یہ لوگ اللہ کی توحید کے معاملے میں باہم جھگڑے اور مجادلہ میں پڑے ہوئے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ بڑی قوی تدبیر کرنے والے ہیں۔ جس کے سامنے کسی کی چال نہیں چلتی۔

آیت نمبر 14:

لَهٗ دَعۡوَةُ الۡحَقِّ وَ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ .....وَمَادُعَآءُ الۡكٰفِرِيۡنَ اِلَّافِىۡ ضَلٰلٍ اور وہ ایسا مجیب الدعوات ہے کہ سچا پکارنا اُسی کے لیے خاص ہے (کیونکہ اُس کو قبول کرنے کی قدرت ہے) اور خدا کے سوا جن کو یہ لوگ (اپنے حوائج ومصائب میں) پکارتے ہیں وہ بوجہ عدم قدرت کے ان کی درخواست کو اس سے زیادہ منظور نہیں کر سکتے جتنا پانی اس شخص کی درخواست کو منظور کرتا ہے۔ جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلاتا ہو (اور اس کو اشارہ سے اپنی طرف بلا رہا ہو) تا کہ وہ پانی اُڑ کر اس کے منہ تک آ جائے۔ اور وہ ازخود اس کے منہ تک آنے والا نہیں۔ (پس جس طرح پانی ان کی درخواست قبول کرنے سے عاجز ہے اسی طرح ان کے یہ معبود عاجز ہیں اس لیے کافروں کی ان سے یہ درخواست کرنا محض بے اثر ہے۔

آیت نمبر 15:

وَلِلّٰهِ يَسۡجُدُ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ طَوۡعًاوَّكَرۡهًاوَّظِلٰلُهُمۡ

بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ اوراللہ ہی ایسا قادر مطلق ہے کہ اسی کے سامنے سب سرخم کیے ہوئے ہیں جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں۔بعض خوشی سے اور بعض مجبوری سے (خوشی سے یہ کہ بااختیار خود عبادت کرتے ہیں اور مجبوری کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس مخلوق میں جو تصرف کرنا چاہتے ہیں وہ اس کی مخالفت نہیں کرسکتا) اوران زمین والوں کے سائے بھی سرخم کیے ہوئے ہیں صبح وشام کے وقت میں یعنی سایہ کو جتنا چاہیں بڑھائیں جتنا چاہیں گھٹائیں اور صبح وشام کے وقت چونکہ دراز ہونے اور گھٹنے کا زیادہ ظہور ہوتا ہے (اس لیے تخصیص کی گئی ورنہ سایہ بھی بایں معنی ہرطرح مطیع ہے)۔

☆☆☆

سُوْرَۃُ الْحُجُرٰت

آیت نمبر 5-1

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَ اتَّقُوااللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ
سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۱ یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ
وَلَاتَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا
تَشْعُرُوْنَ ۲ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَرَسُوْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ
امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی ؕ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ ۳ اِنَّ الَّذِیْنَ
یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۴ وَلَوْاَنَّھُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی
تَخْرُجَ اِلَیْھِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ واللّٰہُ غَفُوْرٌ رَحِیْمٌ ۵

ترجمہ:

اے ایمان والو آگے نہ بڑھو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور ڈرتے رہے اللہ سے، بے شک اللہ سنتا اور جانتا ہے۔

اے ایمان والو اپنی آوازوں کو نبیؐ کی آواز سے اونچا نہ کرو اور نہ ہی آپؐ کے ساتھ زور سے باتیں کرو، جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

جو لوگ اللہ کے رسولؐ کے سامنے دبی آواز میں بولتے ہیں، اللہ نے ان کے دل تقوے کے لیے

آزما لیے ہیں، ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے۔

جو لوگ آپؐ کو حجروں کے باہر سے آواز دیتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔

اور اگر وہ صبر کیے رہتے یہاں تک کہ آپؐ خود نکل کر ان کے سامنے آتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر:

آیت نمبر 1:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْم . ایمان کا سب سے پہلا اور بنیادی یہی تقاضا ہے کہ جو شخص اللہ کو اپنا رب اور رسول کو اپنا ہادی اور راہنما مانتا ہو وہ اگر اپنے اس عقیدے میں سچا ہے تو اپنی رائے اور خیال کو اللہ اور رسول کے فیصلے پر مقدم نہیں رکھ سکتا۔ اس لیے ارشاد ہوا کہ اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کے آگے پیش قدمی نہ کرو یعنی ان سے آگے بڑھ کر نہ چلو پیچھے چلو، مقدم نہ بنو تابع بن کر رہو۔

یہ حکم مسلمانوں کے محض انفرادی معاملات تک ہی محدود نہیں بلکہ ان کے جملہ اجتماعی معاملات پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسی طرح قانون سازی کے معاملہ میں بھی یہ بات قطعی طور پر طے شدہ ہے کہ شریعت اسلامی کا اولین ماخذ خدا کی کتاب ہے اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اگر کسی نے اللہ اور رسول سے بے نیاز ہو کر خود مختاری کی روش اختیار کی یا اپنے خیال کو اُن کے حکم پر مقدم رکھا تو جان رکھو کہ تمہارا سابقہ اس خدا سے ہے جو تمہاری سب باتیں سنتا اور تمہاری نیتوں تک سے واقف ہے۔

آیت نمبر 2:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُم .... وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْن . یہ وہ ادب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھنے والوں اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہونے والوں کو سکھایا گیا ہے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اہل ایمان آپ سے ملاقات اور بات چیت میں آپؐ کا انتہائی ادب ملحوظ رکھیں۔ کسی شخص کی آواز آپؐ کی آواز سے بلند تر نہ ہو۔ آپؐ سے مخاطب ہوتے وقت لوگ یہ نہ بھول جائیں کہ وہ کسی عام اور برابر والے آدمی سے مخاطب ہیں یا اللہ کے رسول سے۔ نیز آپؐ سے اونچی آواز میں مخاطب نہ ہوں۔

یہ ادب اگرچہ نبیؐ کی مجلس کے لیے سکھایا گیا تھا لیکن بعد کے لوگوں کے لیے بھی اس ادب کا خیال رکھنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ جب آپؐ کا ذکر ہو رہا ہو یا آپ کا کوئی حکم یا حدیث سنائی جا رہی ہو تو اس کا احترام کریں اور توجہ سے سنیں۔

اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں ذات رسولؐ کی عظمت کا کیا مقام ہے اور رسولؐ کے احترام میں ذرا سی کمی بھی اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس سے آدمی کی عمر بھر کی کمائی غارت ہو سکتی ہے۔ اس لیے کہ آپؐ کا احترام دراصل اللہ کا احترام ہے۔

آیت نمبر 3:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُم ....وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ . یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آزمائشوں میں پورے اُترے ہیں اور ان آزمائشوں سے گزر کر جنہوں نے ثابت کر دیا ہے کہ ان کے دلوں میں فی الواقع تقویٰ موجود ہے وہی لوگ اللہ کے رسول کا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہیں۔ انہی لوگوں کے لیے مغفرت اور اجر عظیم کی خبر دی گئی ہے۔ یعنی جو دل رسولؐ کے احترام سے خالی ہے وہ دراصل تقویٰ سے خالی ہے اور رسول کے مقابلے میں کسی کی آواز کا بلند ہونا محض ایک ظاہری بدتہذیبی نہیں بلکہ باطن میں تقویٰ نہ ہونے کی دلیل ہے۔

آیت نمبر 4:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُھُمْ لَایَعْقِلُوْنَ . اس آیت کا شان نزول یہ ہے جسے امام بغوی نے بروایت قتادہؓ ذکر کیا ہے کہ قبیلہ بنی تمیم کے لوگ مدینہ آئے یہ ایسے وقت میں پہنچے جب آپؐ کسی حجرے میں آرام فرما رہے تھے۔ انہوں نے حجروں کے باہر سے ہی آپؐ کو پکارنا شروع کر دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں اس طرح پکارنے کی ممانعت اور انتظار کا حکم دیا گیا۔

حضورؐ کے عہد مبارک میں جن لوگوں نے آپؐ کی صحبت میں رہ کر اسلامی آداب و تہذیب کی تربیت پائی وہ تو آپ کے اوقات کا ہمیشہ لحاظ رکھتے تھے اور اُنہیں احساس تھا کہ آپؐ اللہ کے کام میں کس قدر مصروف ہیں۔ اس لیے وہ آپؐ سے ملاقات کے لیے اُسی وقت حاضر ہوتے جب آپؐ باہر تشریف فرما ہوں اور اگر کبھی موجود نہ پاتے تو آپؐ کے برآمد ہونے کا انتظار کرتے۔ لیکن اس کے باوجود کچھ ایسے لوگ بھی آجاتے جن کو یہ تربیت نہیں تھی وہ عموماً ازدواج مطہرات کے حجروں کا چکر کاٹ کر باہر سے ہی پکارتے پھرتے

تھے۔اس طرح کے متعدد واقعات موجود ہیں۔رسول اللہ ؐ کو ان واقعات سے سخت اذیت ہوتی مگر آپ اپنے طبعی حلم کی وجہ سے اسے برداشت کرتے۔آخر کار اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں مداخلت فرمائی اور اس ناشائستہ طرزِعمل پر ملامت کرتے ہوئے لوگوں کو یہ ہدایت دی کہ جب وہ آپ سے ملنے کے لیے آئیں اور آپ کو موجود نہ پائیں تو پکار پکار کر آپ کو بلانے کے بجائے صبر کے ساتھ بیٹھ کر اس وقت کا انتظار کریں جب آپ خود ان سے ملاقات کے لیے باہر تشریف لائیں۔

آیت نمبر 5:

وَلَوْ اَنَّھُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْھِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ واللّٰہُ غُفُوْرٌ رَحِیْمٌ یعنی اب تک جو کچھ ہوا سو ہوا، آئندہ اس غلطی کا اعادہ نہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ پچھلی غلطیوں سے درگزر فرمائے گا اور اپنے رحم و کرم کی بنا پر ان لوگوں سے کوئی مواخذہ نہ کرے گا جو اُس کے رسول کو اس طرح اذیت دیتے رہے ہیں ۔آیت میں **حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْھِمْ** سے مراد اُس وقت تک صبر و انتظار کرنا ہے جب تک آپ ؐ خود لوگوں سے ملاقات کے لیے تشریف نہیں لاتے۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْحَشْر

آیت نمبر 24-22

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۲۲ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۲۳ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۲۴

ترجمہ:

وہ اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں ہر کسی کی جانتا ہے جو پوشیدہ ہے اور جو ظاہر ہے وہ بڑا مہربان ہے رحم والا۔

وہ اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی وہ بادشاہ ہے پاک ذات سب عیبوں سے پاک، امان دینے والا، پناہ میں لینے والا، زبردست دباؤ والا، صاحب عظمت، پاک ہے اللہ اُن کے شریک بتلانے سے۔

وہ اللہ ہے بنانے والا، نکال کر کھڑا کرنے والا، صورت کھینچنے والا، اُسی کے ہیں سب نام خاصے پاکی بول رہا ہے اُس کی جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا۔

تفسیر آیات:

آیت نمبر 22:

ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ خدا جس کی طرف سے یہ قرآن تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، جس نے یہ ذمہ داریاں تم پر ڈالی ہیں اور جس کے حضور بالآخر تمہیں جوابدہ ہونا ہے، وہ کیسا خدا ہے اور کیا اس کی صفات ہیں۔

صفات الٰہیہ کا یہ بیان خود بخود انسان کے اندر یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ اُس کا سابقہ کسی معمولی ہستی سے نہیں ہے بلکہ اس عظیم و جلیل ہستی سے ہے جس کی یہ اور یہ صفات ہیں۔ اس مقام پر یہ بات بھی جان لینا چاہیے کہ قرآن مجید میں اگرچہ جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کی صفات بے نظیر طریقے سے بیان کی گئی ہیں جن سے ذات الٰہی کا نہایت واضح تصور حاصل ہوتا ہے۔ لیکن دو مقامات ایسے ہیں جن میں صفات باری تعالیٰ کا جامع ترین بیان پایا جاتا ہے۔ ایک سورہ بقرہ میں آیت الکرسی (آیت ۲۵۵) دوسرے سورہ حشر کی یہ آیات۔

یعنی جس کے سوا کسی کی یہ حیثیت اور مقام اور مرتبہ نہیں ہے کہ اس کی بندگی و پرستش کی جائے جس کے سوا کوئی خدائی صفات و اختیارات رکھتا ہی نہیں کہ اسے معبود ہونے کا حق پہنچتا ہو۔

یعنی وہی ایک ہستی ایسی ہے جس کی رحمت بے پایاں ہے، تمام کائنات پر وسیع ہے اور کائنات کی ہر چیز کو اس کا فیض پہنچتا ہے۔ سارے جہان میں کوئی دوسرا اس ہمہ گیر اور غیر محدود رحمت کا حامل نہیں ہے۔ دوسری جس ہستی میں بھی صفت رحم پائی جاتی ہے اس کی رحمت جزوی اور محدود ہے اور وہ بھی اس کی ذاتی صفت نہیں ہے۔ بلکہ خالق نے کسی مصلحت اور ضرورت کی خاطر اسے عطا کی ہے۔ جس مخلوق کے اندر بھی اس نے کسی دوسری مخلوق کے لیے جذبہ رحم پیدا کیا ہے۔ اس لیے پیدا کیا ہے کہ ایک مخلوق کو وہ دوسری مخلوق کی پرورش اور خوشحالی کا ذریعہ بنانا چاہتا ہے۔ یہ بجائے خود اُسی کی رحمت بے پایاں کی دلیل ہے۔

آیت نمبر 23:

اصل میں لفظ اَلْـمَـلِک استعمال ہوا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اصل بادشاہ وہی ہے۔ نیز مطلقاً **الـمـلک** کا لفظ استعمال کرنے سے یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ وہ کسی خاص علاقے یا مخصوص مملکت کا نہیں بلکہ سارے جہان کا بادشاہ ہے۔ پوری کائنات پر اس کی سلطانی و فرمانروائی محیط ہے۔ ہر چیز کا وہ مالک ہے۔ ہر

شے اس کے تصرف اور اقتدار اور حکم کے تابع ہے اور اس کی حاکمیت کو محدود کرنے والی کوئی شے نہیں ہے۔ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ کی بادشاہی کے ان سارے پہلوؤں کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کسی محدود یا مجازی مفہوم میں نہیں بلکہ حاکمیت جس چیز کا نام ہے وہ صحیح معنوں میں اللہ ہی کی ہے باقی دنیاوی بادشاہتیں، حاکمیتیں محض جزوی اور عارضی ہیں۔ حاکمیت سرے سے اس حکومت کو کہتے ہی نہیں جو کسی کا عطیہ ہو جو کبھی ملتی اور کبھی چلی جاتی ہو۔

قرآن مجید صرف یہ کہنے پر اکتفا نہیں کرتا کہ اللہ کائنات کا بادشاہ ہے بلکہ یہ وضاحت کرتا ہے کہ وہ ایسا بادشاہ ہے جو قدوس ہے، سلام ہے، مومن ہے، مہیمن ہے، عزیز ہے، جبار ہے، متکبر ہے، خالق ہے، باری ہے اور مصور ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ کی جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ اُس کی ذات کی عکاس ہیں کہ وہ کتنا عظیم بادشاہ ہے جو ہر طرح کے عیب اور نقص سے پاک ہے، سراسر سلامتی والا ہے، اپنی مخلوق کو امن دینے والا ہے، نگہبانی اور حفاظت کرنے والا اور کائنات کی ہر مخلوق کی خبر گیری اور پرورش کرنے والا۔ ایسی عظیم ہستی جس کے فیصلوں میں کوئی سر نہ اُٹھا سکے، کائنات کا نظام درست رکھنے والا اور حقیقی بڑا ہے۔

اس کے اختیارات اور صفات میں جو لوگ بھی کسی کو اس کا شریک قرار دے رہے ہیں درحقیقت بڑا جھوٹ بول رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بات سے بالکل پاک ہے کہ کسی معنی میں بھی کوئی اس کا شریک ہو۔

آیت نمبر 24:

یعنی پوری دنیا اور اس کی ہر چیز تخلیق کے ابتدائی مرحلے سے لے کر تکمیل کے آخری مرحلے تک خود بخود معرض وجود میں نہیں آئی نہ اتفاقاً بنی ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا امر ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کے فعل تخلیق کو تین مراتب میں تقسیم کیا گیا ہے پہلا مرتبہ خلق یا خالق ہے جس کے معنی تقدیر یا منصوبہ سازی کے ہیں، اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی انجینئر عمارت بنانے سے پہلے اس کا نقشہ یا ڈیزائن سوچتا اور تیار کرتا ہے۔ دوسرا مرتبہ ہے برء جس کے معنی ہیں جدا کرنا چاک کرنا۔ خالق کے لیے باری کا لفظ ان معنوں میں استعمال ہوا ہے کہ وہ اپنے سوچے ہوئے نقشے کو وجود میں لاتا ہے۔ تیسرا مرتبہ مصور یعنی صورت بنانا ہے۔ یعنی ایک شے کو مکمل صورت دے دینا۔ انسان دنیا میں جو کچھ بھی بناتا ہے وہ اللہ کے پیدا کردہ مادوں کو جوڑ کر بناتا ہے جبکہ اللہ اس کے

برخلاف ہر چیز کو عدم سے وجود میں لاتا ہے اور وہ مادے بھی بجائے خود اس کے پیدا کردہ ہیں جس سے اس نے یہ دنیا بنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ مصور ہے جس نے جس نے ہر جنس، ہر نوع، ہر فرد کی صورت لاجواب بنائی ہے اور کہیں بھی تکرار نہیں۔

ناموں سے مراد اسمائے صفات ہیں اور اس کے لیے بہترین نام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لیے وہ اسمائے صفات استعمال کرنا چاہیے اور اسے ان ناموں سے یاد کرنا چاہیے جو اس کی صفات کمالیہ کا اظہار کرتے ہوں۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کے یہ اسمائے حسنیٰ بیان ہوئے ہیں اور حدیث میں اس ذات پاک کے ۹۹ نام گنوائے گئے ہیں۔ اور ہر چیز جو زمین اور آسمان میں ہے زبان حال سے پکار پکار کر اس کی بڑائی بیان کر رہی ہے اور کہہ رہی ہے کہ اس کا خالق ہر عیب، نقص، کمزوری اور غلطی سے پاک ہے۔

عزیز اور حکیم سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسا زبردست قدرت والا ہے کہ اس کے فیصلوں کو نافذ ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا اور حکیم سے مراد ہے کہ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے حکمت اور دانائی سے کرتا ہے۔

(بحوالہ: معارف القرآن، تفہیم القرآن، کنزالایمان، تفسیر عثمانی)

☆☆☆

حصہ حدیث

حدیث وسنت

حدیث کا مفہوم:

لغوی معنی:

عربی زبان میں حدیث کے لغوی معنی خبر، گفتگو، نئی بات اور بیان کے ہیں خواہ اس کا تعلق مذہب سے ہو یا دنیاوی معاملات سے جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَبِاَیِّ حَدِیثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ. (المرسلٰت :50)

وہ اس قرآن کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے۔

اصطلاحی معنی:

اصطلاح میں حدیث سے مراد ہر وہ کلام اور خبر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر پر مبنی ہو۔ (کشف الظنون)

حدیث کی اقسام:

ا۔حدیث قولی: وہ حدیث جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یا ارشاد بیان کیا گیا ہو اسے قولی حدیث کہتے ہیں۔مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:''اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔''

۲۔حدیث فعلی: وہ روایت جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اور عمل بیان کیا گیا ہو جیسے: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں ہاتھ سے کھانا کھاتے تھے۔''

۳۔حدیث تقریری: وہ کام یا کلام جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر پسندیدگی کا اظہار فرمایا یا خاموشی اختیار کی یعنی صحابہ کرام کو اس سے منع نہیں فرمایا اسے تقریری

حدیث کہتے ہیں۔ جیسے حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خرگوش کی رانیں اور سرین بھیجے گئے آپ ؐ نے ان کو قبول کر لیا۔ (بخاری و مسلم) آپ ؐ کا یہ سکوت بھی حدیث کا حصہ ہے اور جواز کی علامت ہے۔

سنت کا مفہوم:

لغوی معنی: سنت کے لغوی معنی راستہ، طریقہ، عادت اور قاعدہ کے ہیں

اصطلاحی معنی: حدیث اور سنت کے الفاظ اگر چہ مترادف اور ہم معنی استعمال کیے جاتے ہیں اور اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور تقریر سنت کہلاتے ہیں۔ البتہ اصطلاح شریعت میں اس سے مراد وہ دینی طریق ہے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات طیبہ میں گامزن رہے ہوں۔

حدیث اور سنت میں فرق:

عام طور پر سنت اور حدیث کے الفاظ کو مترادف سمجھا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود ان دونوں میں کچھ فرق ضرور موجود ہے۔ جس کا احاطہ ذیل کی سطور میں کیا جاتا ہے:

- حدیث کا لفظ عام ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہر قول، فعل اور تقریر کے لیے استعمال ہوتا ہے جبکہ سنت خاص ہے اور اس میں عملی پہلو نمایاں ہے۔
- جب سنت کا لفظ قرآن کے ساتھ (قرآن و سنت) استعمال ہوتا ہے تو ایک ماخذ قانون کی حیثیت سے اس کا معنی حدیث کا ہوگا یعنی قرآن وحی جلی اور سنت وحی خفی ہے اور حدیث کا لفظ سنت کا مترادف ہوگا۔
- بعض علماء کے نزدیک حدیث آپ ؐ سے منسوب اقوال، افعال اور تقریر کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس کے برعکس سنت آپ ؐ سے ثابت شدہ اقوال، افعال اور تقاریر کا نام ہے دوسرے لفظوں میں حدیث عام ہے اور سنت خاص۔
- خلفاء راشدین کے طرز عمل کو بھی سنت کہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِيْنَ.

''میرے اور میرے خلفاء راشدین کے طریقے کو تھامے رکھو۔''

❀ حدیث میں بیان کی نسبت غالب ہوتی ہے جبکہ سنت میں عمل کی نسبت غالب ہوتی ہے۔

❀ حدیث کبھی ضعیف ہوتی ہے اور کبھی صحیح ہوتی ہے لیکن سنت کبھی ضعیف نہیں ہوتی۔

❀ حدیث کبھی ناسخ ہوتی ہے اور کبھی منسوخ ہوتی ہے مگر سنت میں کبھی نسخ کا کوئی احتمال نہیں پایا جاتا اور سنت کبھی منسوخ نہیں ہوتی۔

❀ حدیث کے تحت وہ تمام اقوال، افعال اور تقاریر آجاتی ہیں جو آپ کے سامنے ہوئیں لیکن آپؐ نے ان سے منع نہیں فرمایا جبکہ سنت وہ دینی طریقہ ہے جس پر آپ گامزن رہے۔

❀ اہل حدیث ان حضرات کو کہا جاتا ہے جو حدیث کی درس و تدریس اور صحت و سقم کے بارے میں جانچ پڑتال کرتے ہیں جبکہ اہل السنہ کا لفظ حدیث کی طرح اصطلاح نہیں بلکہ وہ طریقہ جس پر آپؐ کے اصحاب چلے یہی راہ اہل السنہ کی ہوتی ہے۔

❀ علم فقہ کی اصطلاح میں سنت سے مراد غیر فرض مشروع اعمال ہیں۔

❀ بعض اوقات سنت کا لفظ بدعت کی ضد کے طور پر بھی بولا جاتا ہے اور بدعت سے مراد وہ غیر مشروع طریقے جو سنت سے ثابت نہیں ہیں۔

(منہاج قاضی بیضاوی، توجیہہ النظر للجزائری، تفہیم الحدیث، نقطہ الدرر)

☆☆☆

حجیت حدیث

حدیث کی ضرورت واہمیت

1۔ حجیت حدیث قرآن کی روشنی میں:

قرآن کریم شریعت اسلامی کا اہم ماخذ ومنبع ہے۔اس میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر زور دیا گیا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اس لئے بھی لازمی اور ضروری ہے کہ آپؐ ہی وہ واحد اور مستند ذریعہ ہیں جو سے خدا کے احکام ہم تک پہنچے ہیں اور اطاعت رسول کے بغیر اطاعت اللہ نہیں کی جاسکتی۔قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ.

آپؐ فرما دیجیے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر وہ تمہاری یہ دعوت قبول نہ کریں تو یقیناً یہ ممکن نہیں کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرے جو اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت سے انکار کرتے ہیں۔

(آل عمران:۳۲)

وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. (الانفال:۱)

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ . (النساء:۵۹)

اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اُن لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملے میں نزع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو۔

مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ الله . (النساء:۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی پس اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔

ان آیات سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہم تک براہ راست نہیں پہنچے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہم تک پہنچے۔اس لیے رسول اللہ کی حیثیت صرف خدا کی نازل کردہ کتاب پڑھ کر سنا دینے کی نہیں بلکہ عملاً اُن احکام پر عملدرآمد کروانے کی ہے۔

2۔حدیث قرآن کی عملی تفسیر:

حدیث قرآن سے الگ کوئی چیز نہیں بلکہ قرآنی احکام کی تفصیل ہے۔قرآن کی حیثیت وحی جلی اور حدیث کی وحی خفی کی ہے۔اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔قرآن نے سو سے زائد مقامات پر نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔

اَقِيۡمُوا الصَّلوٰةَ

نماز قائم کرو۔

مگر نماز کی عملی صورت کیا ہے یہ قرآن نے نہیں بتایا اس کی رکعتیں، قیام، رکوع، سجود ترتیب وغیرہ یہ سب وہ باتیں ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہیں۔

صَلُّوۡا كَمَارَاَيۡتُمُوۡنِى اُصَلِّىۡ. (بخاری)

یعنی نماز اس طرح پڑھو جیسے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

۲۔قرآن مجید میں بے شمار جگہوں پر

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ.

اور زکواۃ دو

کے الفاظ آئے ہیں لیکن زکواۃ کے احکامات، نصاب، حالات، شرح یہ سب تفصیل حدیث میں ہے۔

۳۔قرآن مجید نے حج کے متعلق یہ حکم دیا ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الۡبَيۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَيۡهِ سَبِيۡلًا. (آل عمران:۹۷)

اور اللہ کی طرف سے لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض کیا گیا ہے جو شخص اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔

جبکہ حج کے احکامات کی تفصیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ہی ہم تک پہنچی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

خُذُوْا عَنِّی مَنَاسِکَکُمْ.

یعنی ارکان مجھ سے سیکھ لو۔

۴۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَا قْطَعُوْ آ اَیْدِیَهُمَا.

چوری کرنے والے مرد اور عورت کا ہاتھ کاٹ دو۔

عربی میں پورے ہاتھ کو ''یـــــد'' کہتے ہیں۔ اب ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے گا اور کتنی چوری پر کاٹا جائے گا یہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

۵۔ سورۃ الاعراف آیت: ۵ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ.

نبیؐ اُن کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال اور ناپاک چیزوں کو حرام ٹھہراتا ہے۔

حضرت مقدامؓ بن معدیکرب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''خبردار مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ویسی ہی ایک اور چیز۔ خبردار ایسا نہ ہو کہ ایک پیٹ بھرا شخص اپنی مسند سے ٹیک لگائے یہ کہنے لگے کہ بس تم قرآن کی پیروی کرو۔ جس چیز کو اس میں حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور جس چیز کو اس میں حرام پاؤ اسے حرام سمجھو، حالانکہ جس چیز کو اللہ کا رسول حرام قرار دے دے وہ ویسا ہی حرام ہے جیسے اللہ کا حرام کردہ۔ آگاہ رہو تمہارے لیے پالتو گدھا حلال نہیں ہے اور نہ پھاڑنے والے درندے حلال ہیں۔''

اس فرمان نبویؐ سے حدیث کی ضرورت اور اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

3۔ حدیث وحی خفی:

ہل علم کی اصطلاح میں وحی جلی سے مراد قرآن کریم ہے جبکہ وحی خفی سے مراد حدیث نبوی ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَایَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰی. اِنۡ ھُوَاِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی. (النجم:۳،۴)

اور وہ (نبی) اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے، وہ تو صرف وحی ہے جواُن پر اتاری جاتی ہے۔

وحی کی یہی قسم حدیث نبویؐ کہلاتی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَاجَعَلۡنَا الۡقِبۡلَۃَ الَّتِیۡ کُنۡتَ عَلَیۡھَآ اِلَّالِنَعۡلَمَ مَنۡ یَّتَّبِعُ الرَّسُوۡلَ

4۔قرآن فہمی کے لیےضرورت حدیث:

قرآن کریم کی بہت سی آیات اوراُن میں بیان کیے گئے واقعات ایسے ہیں کہ جب تک ہمارے پاس حدیث نہ ہوہم ان واقعات کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتے۔

سورۃ التوبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وّ عَلَی الثَّلٰثَۃِ الَّذِیۡنَ خُلِفُوۡا. (التوبۃ:۱۱۸)

اوراُن تین لوگوں کے حال پر بھی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا۔

یہ اشخاص کون تھے اوران کے ساتھ کیا معاملہ ہوا،اس کے لیے ہمیں حدیث کی ضرورت پیش آتی ہےاور یہ حدیث کے مطالعہ سے ہی پتہ چلتا ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر جو تین لوگ ساتھ نہیں جا سکےاور پیچھے رہ گئے تھےان کا حال بیان کر کےان کی توبہ کا ذکر ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذۡ یَعِدُکُمُ اللہُ اِحۡدَی الطَّآءِ فَتَنِ اَنَّھَالَکُمۡ. (الانفال:۷)

''اور جب اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دو جماعتوں میں سے ایک تمہارے قبضے میں آئے گی۔''

یہ دو جماعتیں کون سی تھیں جن کا قرآن نے تذکرہ کیا ہے۔قرآن کی کوئی دوسری آیت اس سلسلہ میں راہنمائی نہیں کرتی۔حدیث رسولؐ ہی یہاں وہ ذریعہ ہے جس سے اُن جماعتوں کا پتہ چلتا ہے۔غزوہ بدر کے موقع پر ایک طرف قافلہ تجارت تھااور دوسری طرف لشکر قریش اور اللہ تعالیٰ نے لشکر قریش کو مسلمانوں کے قبضہ میں کر دیا۔

مختصراً یہ کہ قرآن فہمی حدیث کے بغیر ناممکن ہےاس لیے حدیث ایک اہم حوالہ ہے۔

5۔شریعت اسلامیہ کی بنیاد:

قرآن کریم کے بعد حدیث شریعت اسلامیہ کا نہایت اہم ماخذ ہے اور اس پر تمام اُمت کا اجماع ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذؓ بن جبل کو یمن کا گورنر مقرر کیا تو رخصت کرتے ہوئے پوچھا کہ تم فیصلے کس طرح کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ کتاب اللہ (قرآن) کے مطابق فیصلے کروں گا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا اگر قرآن میں اس مسئلے کا حل نہ پاؤ تو؟ حضرت معاذ نے جواب دیا کہ سنت کی روشنی میں فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے پھر پوچھا کہ اگر سنت رسول کی روشنی میں اس کا حل نہ پاؤ تو کیا کرو گے؟ حضرت معاذ نے جواب دیا کہ اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ جس نے رسول اللہؐ کے فرستادہ کو اللہ کے رسول سے موافقت کی توفیق عطا فرمائی۔''

اس روایت سے یہ بات بالکل عیاں ہوجاتی ہے حدیث شریعت اسلامیہ کا قرآن کے بعد دوسرا اہم ماخذ ہے۔

6۔حجیت حدیث اور اصحاب رسول:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب بھی حدیث اور سنت کو دین کا اہم جز اور ماخذ خیال کرتے۔ خلفائے راشدین کا یہ طرز عمل تھا کہ وہ جب بھی کوئی فیصلہ کرنے لگتے تو سب سے پہلے قرآن سے راہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کرتے، اگر قرآن سے اُس مسئلہ پر راہنمائی حاصل نہ ہوتی تو حضورؐ کی سنت اور حدیث کی طرف رجوع کرتے۔

اس سلسلہ میں حضرت معاذ بن جبلؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ حضورؐ نے جب ان کو یمن کا گورنر مقرر کیا تو آپؐ نے پوچھا کہ تم فیصلے کس طرح کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ کتاب اللہ (قرآن) کے مطابق فیصلے کروں گا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا اگر قرآن میں اس مسئلے کا حل نہ پاؤ تو؟ حضرت معاذ نے جواب دیا کہ سنت کی روشنی میں فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے پھر پوچھا کہ اگر سنت رسول کی روشنی میں اس کا حل نہ پاؤ تو کیا کرو گے؟ حضرت معاذ نے جواب دیا کہ اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ اس پر حضور اکرمؐ نے آپؓ کا سینہ اپنے دست مبارک سے ٹھونکا اور فرمایا:

''حمد ہے اس خدا کی کہ جس نے اللہ کے رسول کے فرستادہ کی رائے کو اللہ کے رسول کی مرضی کے

موافق کر دیا۔''

حضرت عبداللہؓ ابن مسعود مسجد کے دروازے میں داخل ہوتے ہوئے حضور اکرمؐ کے یہ الفاظ سنتے ہیں کہ مومنو بیٹھ جاؤ۔ حضرت عبداللہؓ ابن مسعود فرمان نبوی کی تعمیل میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر گوارا نہیں کرتے اور مسجد کے دروازے میں ہی بیٹھ جاتے ہیں۔ حضورؐ کی نظر پڑتی ہے تو آپ تبسم فرماتے ہیں اور حضرت عبداللہؓ ابن مسعود کو اندر آ کر بیٹھنے کا حکم فرماتے ہیں۔''

ثقیفہ بنو ساعدہ کی بگڑتی ہوئی صورت حال کو حضورؐ کی ایک چھوٹی سی حدیث سنبھالا دیا کہ: **الائمة من القریش.** امام قریش میں سے ہوں گے۔ آپؐ کے اس فرمان کا سننا تھا کہ تمام صحابہ کرام اپنے اپنے اختلافات بھول گئے اور اس حدیث کے مطابق فیصلہ کیا۔

حضرت عثمانؓ کا خیال تھا کہ بیوہ جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کی بہن فریعہ بنت مالک نے اپنا واقعہ بیان کیا کہ میرا شوہر قتل ہو گیا تھا۔ میں نے رسول اللہؐ سے دریافت کیا تو آپؐ نے شوہر کے مکان پر عدت گزارنے کا حکم دیا۔ حضرت عثمانؓ نے حدیث نبوی سامنے آنے پر اس کے مطابق فیصلہ دیا۔

یہ اور اس طرح کے کتنے ہی ایسے واقعات ہیں جو صحابہ کرام کے طرز عمل کا بیّن ثبوت ہیں کہ وہ فرمان نبویؐ کا کتنا پاس رکھتے تھے۔

7۔ اطاعت رسول کا حکم:

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر مومنوں کو اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم دیا گیا ہے اور پیروی کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيْمًا. (احزاب: ۷۱)

''جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (احزاب:۲۱)

تمہارے لیے رسول اللہؐ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

یٰـاَیُّھَاالَّـذِیْـنَ اٰمَنُوْٓ اَطِیْعُوْااللّٰہَ وَاَطِیْعُوْاالرَّسُوْلَ وَ اُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ .

اے ایمان والواطاعت کرواللہ کی اوراطاعت کرورسول کی اوراُن لوگوں کی جوتم میں سے صاحب امرہوں پھراگرتمہارے درمیان کسی معاملے میں نزع ہوجائے تواسے اللہ اوررسول کی طرف پھیردو۔

(النساء:۵۹)

اگرغورکریں تو ان آیات اور اسوہ حسنہ پرصرف اسی صورت میں عمل ہوسکتا ہے جب حدیث اورسنت کی صورت میں آپؐ کے اقوال،افعال اورتقاریر پرعمل کیا جائے

8۔اطاعت رسول کی اہمیت:

اسلامی عقائد میں توحید ورسالت ایک دوسرے کے ساتھ باہم پیوست ہیں اور دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لیےان پرایمان ضروری ہے۔رسول پرایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کی تعلیمات کو بغیرحیل وحجت تسلیم کیا جائے۔اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے:

وَمَااٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَانَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا. (الحشر:۷)

اور جوکچھ تمہیں رسول دےاسے لےلواورجس سے منع کرےاس سے رک جاؤ۔

دوسری جگہ ارشادفرمایا:

لَقَدْکَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃ. (احزاب:۲۱)

تمہارے لیےرسول اللہؐ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

ایک اورمقام پرارشادباری تعالیٰ ہے:

مَنْ یُّطِعُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَاذَ فَوْزاً عَظِیْمَا. (احزاب:۷۱)

"جس نے اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کی تو اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی۔"

9. اتحادعالم اسلامی کی ضمانت:

سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اُمت مسلمہ کے اتحاد کا اہم ذریعہ ہے۔دینی احکام میں جو یکسانیت ہے حدیث کے بغیرممکن نہیں۔اگر ہرشخص قرآن حکیم میں غوروحوض کرنے اورمن مانی تاویل اورتشریح کرنے

لگے تو تفرقہ اور انتشار کا وہ طوفان اُٹھے گا کہ اُمت کا اتحاد پارہ پارہ ہو جائے گا۔

وفات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر جب خلافت میں اختلاف پیدا ہوا تو قریب تھا کہ یہ اختلاف فتنۂ عظیم کا باعث بن جاتا۔ ایسے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب یہ حدیث:

اَلْائِمَۃُ مِن قُرَیْش.

امام قریش میں سے ہوں گے۔ (بخاری)

آپؐ کے اس فرمان کا سننا تھا کہ تمام صحابہ کرام اپنے اپنے اختلافات بھول گئے۔ اسی طرح خلافت صدیقی میں جب فاطمۃ الزہراؓ نے وراثت کا مطالبہ کیا تو ابوبکر صدیقؓ نے جب یہ حدیث:

لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرَثُ مَاتَرَکْنَاہُ صَدَقَۃٌ.

''ہم (انبیاء) نہ کسی سے ورثہ پاتے ہیں نہ کسی کو وارث بناتے ہیں، ہم جو چیز چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے'' (بخاری)

بیان کی تو سب مطمئن ہو گئے۔

ان واقعات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حدیث نبوی اُمت کے باہمی انتشار و خلفشار کو دور کر کے ان میں باہمی اتحاد و اتفاق پیدا کرتی ہے۔

10۔ حجیت حدیث از روئے حدیث:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مقامات پر صحابہ کرام کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ اپنی اطاعت کا بھی حکم دیتے۔ آپ کا فرمان ہے:

میری تمام اُمت جنت میں جائے گی سوائے اس کے جو انکار کرے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ انکار کرنے والوں سے کون لوگ مراد ہیں؟ آپؐ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی وہ انکار کرنے والا ہے۔ (بخاری)

حضرت عرباضؓ بن ساریہ حضور اکرمؐ کی ایک تقریر نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

''اور جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا پس تم میری سنت اور میرے راست رو ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت پر جمع رہنا کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔''

حضرت مقدامؓ بن معدیکرب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''خبردار مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ویسی ہی ایک اور چیز۔ خبردار ایسا نہ ہو کہ ایک پیٹ بھرا شخص اپنی مسند سے ٹیک لگائے یہ کہنے لگے کہ بس تم قرآن کی پیروی کرو۔ جس چیز کو اس میں حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور جس چیز کو اس میں حرام پاؤ اسے حرام سمجھو، حالانکہ جس چیز کو اللہ کا رسول حرام قرار دے دے وہ ویسا ہی حرام ہے جیسے اللہ کا حرام کردہ۔ آگاہ رہو تمہارے لیے پالتو گدھا حلال نہیں ہے اور نہ پھاڑنے والے درندے حلال ہیں۔'' (ابوداؤد، ابن ماجہ)

11۔ حجیت حدیث آئمہ کی نظر میں:

امام اعظم ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ:

''اللہ کے دین میں رائے اور قیاس سے بچو اور سنت کی پیروی کرو جو سنت کے دائرہ سے نکلا وہ گمراہ ہوا۔''

حضرت عبداللہ ابن مبارک فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

''جو بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے وہ بسر و چشم تسلیم ہے۔''

ایک اور جگہ روضۃ العلماء میں آپؒ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے:

''میرے قول کو حدیث نبوی اور اقوال صحابہ کے ہوتے ہوئے ترک کردو۔''

امام مالکؒ حضور اکرمؐ کے مرقد مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ:

''ہر شخص کی بات کو چھوڑا بھی جا سکتا ہے اور اختیار بھی کیا جا سکتا ہے سوائے اس قبر والے کے کہ ان کی ہر بات واجب التسلیم ہوتی ہے۔''

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ:

''جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سامنے آجائے تو کسی وجہ سے اس کو ترک کرنے کی گنجائش نہیں۔''

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ:

''اس شخص کی بدبختی میں کیا شک ہے کہ جو سنت کو اختیار کرنے کے وقت سوچتا ہے کہ اسے اختیار کیا

جائے یا ترک کر دیا جائے۔"

نیز آپؒ فرماتے ہیں کہ:

جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو رد کیا وہ تباہی کے کنارے پر پہنچ گیا۔"

12۔ حجیت حدیث بوجہ ضرورت:

اگر گہرائی سے غور کیا جائے تو قرآن کریم شریعت اسلامی کا اولین ماخذ وسرچشمہ ہے جبکہ حدیث قرآنی اجمالی احکام کی شرح وتفصیل پیش کرتی ہے۔ یوں سمجھئے کہ قرآن اجمال ہے تو حدیث تفصیل، قرآن متن ہے تو حدیث شرح وتفسیر، یہ ظاہر ہے کاتب اور مکتوب الیہ سے بڑھ کر مکتوب کو سمجھنے والا اور کوئی نہیں ہوسکتا تو جب کاتب خود وحی خفی کے ذریعے مکتوب الیہ کو مکتوب سمجھا رہا ہو تو مکتوب الیہ کی کی ہوئی تفسیر اور توضیح کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

دینی اہمیت کے علاوہ بھی حدیث نبوی کو تاریخی، اجتماعی، اخلاقی، ثقافتی اور قانونی اہمیت حاصل ہے ۔عہد نبوی کے حالات وواقعات، عربوں اور بالخصوص مسلمانوں کی تہذیب وثقافت اور تمدن یہ سب حدیث کی بدولت ممکن ہوا ہے۔ حدیث نبوی کی تدوین اور حفاظت کے لیے مسلمانوں نے جس محنت، عرق ریزی اور جانفشانی سے کام لیا دنیا کی کوئی قوم اپنے قائد اور مصلح کے حوالے سے نہیں کر سکی ہے۔ یہ بلا مبالغہ اتنا بڑا کام ہے جس کی جتنی تعریف کی جائے اتنی کم ہے۔

(تفسیر القرآن، تفہیم الحدیث، فہم الحدیث، حدیث کی ضرورت واہمیت)

☆☆☆

جمع وتدوین حدیث

حدیث نبویؐ قرآن کے بعد شریعت اسلامیہ کا دوسرا بڑا ماخذ ہے اور ظاہر بات ہے کہ شریعت کے ماخذ کی صحت جب تک ثابت نہ ہوگی شریعت کو درست اور صحیح ثابت نہیں کیا جاسکتا اور ماخذ کی صحت ثابت کرنے کے لیے ہمیں اس چیز پر نظر رکھنا ہوگی کہ اس ماخذ کی تدوین وترتیب کس انداز میں ہوئی اور کس صحت کے ساتھ ہوئی۔

تدوین حدیث کو ہم چار ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں:

دوراوّل:	عہد نبوی سے پہلی صدی ہجری کے خاتمہ تک (عہد نبوی، عہد صحابہ و تابعین)
دورثانی:	دوسری صدی ہجری کے آغاز سے نصف تک (عہد تابعین وتبع تابعین)
دورثالث:	دوسری صدی ہجری کے نصف سے 450ھ تک
دوررابع:	پانچویں صدی ہجری کے نصف سے دور حاضر تک

دوراول میں حفاظت حدیث

عہد نبوی سے پہلی صدی ہجری کے خاتمہ تک

(عہد نبوی، عہد صحابہ وتابعین)

الف۔عہدِ رسالت:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تحفظ حدیث کا بڑا خیال رہتا تھا۔آپؐ جب گفتگو کرتے تو آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر کرتے تا کہ سننے والا اچھی طرح سمجھ لے۔اگر کوئی اہم بات بتانا مطلوب ہوتی تو بات کو دہراتے اور کبھی تین مرتبہ ادا کرتے تا کہ سننے والے با آسانی اسے ذہن نشین کر لے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

''اللہ اُس شخص کو خوش و خرم رکھے جس نے ہم سے کوئی بات سن کر دوسروں تک پہنچائی کیوں کہ بعض لوگ جن کو بات پہنچائی جاتی ہے اصل سننے والوں سے بھی زیادہ اس بات کو یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔''

(ترمذی)

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے خطبہ حج میں یہ ارشاد فرمایا:

''دیکھو! جو حاضر ہے وہ میری باتیں اُن لوگوں تک پہنچا دے جو موجود نہیں ہیں۔''

(بخاری)

حفاظت حدیث کے سلسلہ میں ایک اہم بات یاد رکھنے کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا میں احادیث کو لکھنے سے منع فرما دیا تھا۔اس بارے میں حضرت ابوسعیدؓ خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میری طرف سے کچھ نہ لکھو! اگر کسی نے قرآن کے علاوہ کچھ لکھا ہے تو اسے چاہیے کہ اسے مٹا دے۔'' (مسلم)

اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدشہ تھا کہ کہیں قرآن و حدیث آپس میں مل نہ جائیں۔البتہ کچھ عرصہ کے بعد آپؐ نے صحابہ کو کتابت حدیث کی اجازت مرحمت فرما دی اور فرمایا:

''میری باتیں لکھ لیا کرو کیوں کہ اس زبان سے سوائے حق کے اور کچھ نہیں نکلتا''

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى. اِن ْهُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى. (النجم:۳،۴)

اور وہ (نبی) اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے، وہ تو صرف وحی ہے جو اُن پر اتاری جاتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کتابت حدیث کی اجازت ملنے پر صحابہ کرام نے عہدِ رسالت میں ضبط

حدیث کا بیڑا اُٹھایا۔اس دور میں صحابہ کرام عام طور پر حفاظت حدیث کے تین طریقے اختیار کرتے تھے۔

ا۔حفظ: صحابہ کرام جو کچھ آپؐ سے سنتے اُسے اپنے حافظہ میں محفوظ کر لیتے تھے۔

۲۔کتابت: بعض صحابہ آپؐ سے بات سن کر اُسے اپنے پاس لکھ لیا کرتے، نیز حضورؐ خود بھی بعض اوقات کوئی بات لکھوا لیتے۔

۳۔تعامل: صحابہ کرام جو کچھ آپؐ سے سنتے فوراً اس پر عمل کرتے اس طرح تعامل سے بھی حفاظت حدیث کی گئی۔

کتابت حدیث کی چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے۔امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے:
''مجھ سے زیادہ کسی صحابی کو حدیثیں یاد نہیں تھیں سوائے عبداللہ بن عمروؓ بن العاص کے کیونکہ وہ لکھ لیا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔'' (بخاری)

۲۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ قبیلہ خزاعہ والوں نے فتح مکہ والے سال بنی لیث کے ایک شخص کو قتل کر دیا۔جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی پر سوار ہو کر مکہ کی حرمت وعزت کے بارے میں خطبہ دیا۔ایک یمنی شخص ابو شاہ نے آپؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے یہ باتیں لکھوا کر دے دیجیے۔چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے کہا کہ اسے لکھ کر دے دو۔ (بخاری)

۳۔ بعض لوگوں نے حضرت عبداللہ سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی خوش ہوتے ہیں اور کبھی ناخوش اور تم سب لکھتے جاتے ہو، چنانچہ آپؓ نے لکھنا چھوڑ دیا۔جب آپؐ کو پتہ چلا تو آپؐ نے فرمایا اس زبان سے جو نکلتا ہے حق نکلتا ہے۔(ابوداؤد)

۴۔ حضرت علیؓ کے پاس متعدد احادیث لکھی ہوئی موجود تھیں جن کو آپ اپنی تلوار کے نیام میں رکھا کرتے۔ایک بار جب لوگوں نے آپؓ سے پوچھا تو آپؓ نے فرمایا کہ زکواۃ، دیت اور قصاص کے احکام ہیں جو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لکھے تھے پھر

آپ نے وہ تحریریں دکھائیں۔ (بخاری)

۵۔ جو دعوت نامے اور خطوط آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب فرمانرواؤں اور مصر، شام اور ایران کے حکمرانوں کو لکھے تھے وہ تحریری شکل میں آج بھی دنیا کی مختلف لائبریریوں میں محفوظ ہیں۔

۶۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کی شرائط لکھوا کر سہیل بن عمرو کو دی تھیں اور ایک نقل اپنے پاس رکھی تھی۔ (طبقات ابن سعد)

۷۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عمرو بن حزمؓ کو یمن کا والی بنا کر بھیجا تو انہیں صدقہ، دیت، اور وراثت کے متعلق احکام لکھوا کر دیئے تھے۔ (دار قطنی)

مختصراً یہ کہ اس قسم کی بے شمار ایسی روایات موجود ہیں جن سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہوتی ہے کہ حدیث کا بڑا سرمایہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جمع ہو چکا تھا۔

ب۔عہد صحابہ:

صحابہ کرام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے اس حد تک محبت تھی کہ وہ آپ کے ایک اشارے پر اپنی جانیں تک قربان کرنے پر تیار رہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال پر عمل صحابہ کرام کا محبوب مشغلہ تھا۔ آپؐ کی زندگی میں ہی بہت سے صحابہ کرام ایسے تھے جنہوں نے آپؐ کے ارشادات کو تحریری طور پر محفوظ کر لیا تھا جبکہ جن صحابہ کو احادیث یاد تھیں وہ ان کے علاوہ تھے۔ خلفائے راشدین فیصلے کرتے وقت اس ذخیرہ حدیث سے استفادہ کرتے تھے۔ کتابت حدیث کی چند ایک مثالیں حسب ذیل ہیں:

1۔ حضرت علیؓ صحابہ کرام میں بڑے مفتی و قاضی تصور کیے جاتے تھے آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ لکھا ہوا موجود تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بچشم خود یہ مجموعہ دیکھا تھا۔ (مقدمہ صحیح مسلم)

۲۔ حضرت ابو ہریرہؓ صحابہ میں کثیر روایت ہونے کے اعتبار سے منفرد مقام رکھتے ہیں۔ اُن کے ایک شاگرد ہمام بن منبّہ (ف ۱۰۱ھ) نے اُن کی روایات کو جمع کر کے ایک مجموعہ صحیفہ ہمام بن منبّہ کے نام سے تیار کیا۔ یہ مجموعہ امام احمد بن حنبل نے اپنی تالیف

مسندابو ہریرہؓ میں شامل کرلیا تھا۔ (جامع بیان العلم)

۳۔ حضرت زید بن ثابت نے وراثت کے بارے میں ایک جامع دستاویز لکھ کر حضرت معاویہؓ کو بھیجی تھی۔امام شافعیؒ نے یہ تحریر دیکھی تو فرمایا اس تحریر کے ہوتے ہوئے وراثت سے متعلق کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں۔ (بیہقی)

۴۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کا مرتب کردہ صحیفہ صادقہ جس میں آپؐ سے منقول بہت سی احادیث تھیں۔اب یہ مجموعہ مسند احمد میں موجود ہے۔

۵۔ حضرت ثمرہ بن جندب کی احادیث کا مجموعہ ان کے بیٹے سلیمان نے تیار کیا تھا۔ (التہذیب)

۶۔ حضرت ابوبکرؓ کے پاس اپنا لکھا ہوا ایک مجموعہ احادیث تھا جس میں پانچ سو احادیث لکھی ہوئی تھیں۔ (تذکرۃ الحفاظ)

۷۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ایک مجموعہ ان کے بیٹے عبدالرحمٰن کے پاس محفوظ تھا۔ (جامع بیان العلم)

۸۔ حضرت عائشہؓ کی روایت کردہ احادیث ان کے شاگرد عروہ بن زبیرؓ نے قلم بند کر لیا تھا۔

صحابہ کرام اور اُن کی روایت کردہ احادیث:

۱۔ حضرت ابوہریرہؓ وفات (م۵۸ھ) روایاتِ احادیث 5374

۲۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ (م۷۳ھ) روایاتِ احادیث 2630

۳۔ حضرت انس بن مالکؓ (م۹۳ھ) روایاتِ احادیث 2286

۴۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ (م۵۸ھ) روایاتِ احادیث 2210

۵۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ (م۶۸ھ) روایاتِ احادیث 1660

۶۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ (م۷۴ھ) روایاتِ احادیث 1540

۷۔ حضرت ابوسعید خدریؓ (م۷۴ھ) روایات احادیث 1170

صحابہ کرام میں سے یہ وہ ہستیاں تھیں جن سے ایک ہزار سے زائد احادیث روایت کی گئیں۔ان کے علاوہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ (م ۳۲ھ) 848 احادیث، حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص (م ۶۳ھ) 700 احادیث، حضرت عمرؓ بن الخطاب (م ۲۳ھ) 537 احادیث، حضرت علیؓ بن ابوطالب (م ۴۰ھ) 536 احادیث روایت کی ہیں۔ یہ وہ جلیل القدر صحابہ ہیں جن سے روایت کردہ احادیث کی تعداد پانچ سو سے ایک ہزار کے درمیان ہے۔

ان کے ساتھ ساتھ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت معاذؓ بن جبل، حضرت ابیؓ بن کعبؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت ابوایوب انصاریؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت ام سلمہؓ وہ صحابہ کرام ہیں جن کی روایات کی تعداد سو سے زائد اور پانچ سو سے کم ہے۔

آخری صحابی

حضرت ابوالطفیل عامرؓ بن واثلہ بن عبداللہ اللیثیؓ (3 ھ تا 110 ھ) وہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے سب سے آخر میں 107 سال کی عمر میں مکہ میں وفات پائی اور یہیں دفن ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت آپؓ 8 سال کے تھے۔آپؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، معاذ بن جبلؓ، حذیفہؓ، ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ اور زید بن ارقمؓ سے احادیث روایت کی ہیں۔ آپ کے شاگردوں میں امام زہری، قتادہ اور عمرو بن دینار وغیرہ شامل ہیں۔

(تفہیم الحدیث، حدیث کی ضرورت واہمیت)

ج۔عہد تابعین:

پہلی صدی ہجری کے خاتمہ تک صحابہ کرام میں سے چند ایک صحابہ ہی زندہ رہ گئے تھے البتہ تابعین کی ایک کثیر تعداد ایسی تھی جنہوں نے صحابہ کرام سے براہ راست کسب فیض کر کے احادیث کو باقاعدہ طور پر محفوظ کر لیا تھا۔

ان کبار تابعین میں سے چند ایک مشہور حضرات درج ذیل ہیں:۔

ا۔حضرت سعید بن مسیّبؒ:

عہد فاروقی کے دوسرے سال مدینہ میں پیدا ہوئے۔حضرت عائشہؓ، حضرت ابوہریرۃؓ، حضرت

عثمان غنیؓ اور حضرت زیدؓ بن ثابت سے علم حدیث پر دسترس حاصل کی۔۱۰۵ھ میں وفات ہوئی۔

۲۔حضرت عروہ بن زبیرؓ:

آپ کا شمار ممتاز محدثین اور مدینہ کے بڑے اہل علم میں کیا جاتا ہے۔اپنی خالہ حضرت عائشہؓ سے احادیث روایت کی ہیں۔حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت زیدؓ بن ثابت سے بھی علم حاصل کیا۔امام زہریؒ اور صالح بن کیسانؒ جیسے اہل علم اُن سے مستفید ہوئے ہیں۔۹۴ھ میں وفات ہوئی۔

۳۔حضرت سالم بن عبداللہؓ بن عمر:

بڑے اہل علم اور مدینہ کے سات فقہاء میں سے ایک تھے۔اپنے والد محترم اور دوسرے صحابہ سے علم حدیث حاصل کیا۔۱۰۶ھ میں وفات ہوئی۔

۴۔حضرت نافع مولیٰ عبداللہؓ بن عمرؓ:

آپ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے خاص شاگرد اور امام مالکؒ کے استاد ہیں ۱۱۷ھ میں وفات ہوئی۔

تابعین کے تحریری سرمائے میں سے چند ایک مجموعے اور اُن کے جامعین مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔صحیفہ صحیحہ: حضرت ابو ہریرہؓ کے مشہور شاگرد ہمام بن منبّہ نے اپنے استاد سے احادیث سن کر مرتب کیا۔

۲۔حضرت ابو ہریرہؓ کے ایک اور شاگرد بشیر بن نہیک نے بھی ایک مجموعہ مرتب کر کے حضرت ابو ہریرہؓ کو سنا کر تصدیق حاصل کر لی تھی۔

۳۔صحیفہ حضرت جابرؓ: حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایات کو ان کے شاگرد وہب بن منبّہ اور سلیمان قیس لشکری نے مرتب کیا اس میں مناسک حج اور خطبہ حجۃ الوداع شامل تھے۔

۴۔روایات حضرت عائشہؓ: آپؓ کی روایت کردہ احادیث عروہ بن زبیرؓ نے قلم بند کر لی تھی۔

۵۔احادیث ابن عباسؓ: حضرت سعید بن جبیرؓ تابعی نے آپؓ سے منسوب روایات کو جمع کر کے لکھ لیا تھا۔

اس کے علاوہ بھی بہت سے ایسے اصحاب موجود تھے جن کے پاس مختلف صحابہ کرام سے مروی احادیث تحریری طور پر موجود تھیں جن کی تفصیل یہاں ممکن نہیں۔

دورِ ثانی

دوسری صدی ہجری کے آغاز سے نصف تک

(عہد تابعین و تبع تابعین ۱۰۱ھ تا ۱۵۰ھ)

تابعین نے اپنے تلامذہ کا جو مقدس گروہ چھوڑا اُسے تبع تابعین کہا جاتا ہے۔ دوسری صدی ہجری کے پہلے نصف پر مشتمل اس دور میں تابعین اور تبع تابعین کی ایک بڑی تعداد خدمت حدیث میں مصروف نظر آتی ہے۔ عہد تابعین سے ہی علم حدیث نے کتابی شکل اختیار کر لی تھی، اس دور میں دور اول کے تحریری سرمائے کو بڑی جانفشانی اور عرق ریزی سے مختلف تالیفات کی صورت میں سمیٹ لیا گیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مملکت اسلامیہ کے تمام ذمہ داروں کو جمع و تدوین حدیث کا تاکیدی فرمان جاری کیا۔ آپ کی ان کوششوں کے نتیجے میں احادیث کے کئی دفتر دارالخلافہ دمشق پہنچ گئے اور آپ نے ان کی نقلیں ملک کے گوشے گوشے میں پھیلا دیں۔

صحیح بخاری کتاب العلم میں مذکور ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جب اہل علم تابعین کو ایک ایک کر کے دنیا سے رخصت ہوتے دیکھا تو انہوں نے مدینہ کے گورنر ابو بکر ابن حزم کو لکھا کہ اہل مدینہ سے جس قدر احادیث مل سکیں انہیں جمع کر لیا جائے۔ چونکہ مدینہ حدیث نبوی کا مرکز تھا اس لیے اس مبارک کام کی داغ بیل سرکاری طور پر وہاں سے پڑی۔ (فتح الباری)

امام ابن شہاب زہری (50ھ تا 124ھ) کبار تابعین میں سے تھے، اپنے وقت کے بڑے عالم، محدث اور فقیہہ تھے، بڑے بڑے علمائے حدیث نے اُن سے علم حاصل کیا جن میں امام اوزاعی، امام مالک، اور سفیان بن عینہ جیسے آئمہ حدیث شامل ہیں۔ آپ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے حدیث کی ایک جامع کتاب تالیف کی۔ مدینہ میں صحابہ کرام سے جس قدر احادیث انہیں مل سکیں انہیں جمع کیا۔ اس کے علاوہ صحابہ اور تابعین کے فتاویٰ اور اقوال بڑی تعداد میں جمع کئے۔ (خطبات مدراس)

امام مالک بن انس کا شمار اس دور کے بڑے جامعین حدیث میں ہوتا ہے۔ آپ نے اپنے وقت کے نامور اساتذہ کرام سے استفادہ کیا، اسی طرح آپ کے تلامذہ میں بھی لیث بن سعد، ابن مبارک، امام شافعی اور امام محمد بن حسن شیبانی جیسے مشاہیر نے آپ سے کسب فیض حاصل کیا۔

آپ نے اپنی مشہور کتاب ''الموطا'' ۱۴۱ھ میں تالیف کی۔اس میں جمع شدہ احادیث صحت کے اعتبار سے بلند پایہ ہیں جس کی وجہ سے بعض محدثین نے اسے بخاری اور مسلم سے بھی افضل قرار دیا ہے جبکہ بعض دوسرے محدثین ابن ماجہ کی بجائے موطا امام مالک کو صحاح ستہ میں شمار کرتے ہیں۔

(مقدمہ تحفۃ الاحوذی)

ان محدثین کے علاوہ اس دور کے چند دوسرے بڑے جامعین حدیث اور اُن کی تالیف کردہ کتب درج ذیل ہیں:

عبدالملک بن جریجؒ	(م ۱۵۰ھ) مکہ میں	جامع ابن جریج تالیف کی
امام اوزاعی	(م ۱۵۷ھ) شام میں	جامع امام اوزاعی تالیف کی
امام عبداللہ بن مبارک	(م ۱۸۱ھ) خراسان میں	جامع ابن مبارک تالیف کی
امام سفیان ثوریؒ	(م ۱۶۱ھ) کوفہ میں	جامع سفیان ثوری تالیف کی
امام محمد	(م ۱۸۹ھ) نے	کتاب الاثار تالیف کی
قاضی ابو یوسف	(م ۱۸۲ھ) نے	کتاب الخراج تالیف کی
امام معمر بن راشد	(م ۱۵۳ھ) یمن میں احادیث تالیف کیں	
امام حماد بن سلمہ	(م ۱۶۷ھ) بصرہ میں تالیف کی۔	

اس دور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث، آثار صحابہ اور فتاویٰ تابعین کو ایک ہی جگہ جمع کیا جاتا تھا۔لیکن اس کے ساتھ یہ وضاحت ضرور کر دی جاتی کہ یہ نبیؐ کا فرمان ہے یا کسی صحابی اور تابعی کا قول ہے۔

دور ثالث

دوسری صدی ہجری کے نصف سے 450ھ تک

یہ دور تدوین حدیث کا انتہائی اہم دور ہے۔اس دور میں احادیث مبارکہ کے بہت سے مجموعے تالیف کیے گئے جن میں صحاح ستہ بھی شامل ہیں۔

اس دور میں احادیث نبوی اور آثار صحابہ کو ایک دوسرے سے الگ الگ کر کے مرتب کیا گیا۔جبکہ

اس سے قبل دوسرے دور میں یہ رواج تھا کہ احادیث نبویہ، آثار صحابہ اور تابعین کے اقوال کو ایک ہی کتاب میں جمع کیا جاتا تھا، ہاں اتنا ضرور تھا کہ ہر ایک کے ساتھ تصریح کر دی جاتی کہ یہ نبی ؐ کا فرمان ہے، صحابی کا قول ہے یا تابعی کا قول ہے۔

قابل اعتماد روایات کے مجموعے علیحدہ ترتیب دیئے گئے۔ تحقیق اور چھان بین کے بعد پہلے دور کی تالیفات دوسرے دور کی کتب میں سما گئیں۔

اس دور میں روایات کی تدوین کے ساتھ ساتھ علم حدیث کی حفاظت کے لیے محدثین کرامؒ نے سو سے زائد علوم کی بنیاد ڈالی جن پر اب تک ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔

راویوں کی تحقیق کے لیے اسماء الرجال کا فن معرض وجود میں آیا جس کی بدولت پانچ لاکھ راویوں کے حالات قلمبند کیے گئے۔ علم حدیث پر یہ وہ کام تھا کہ جس پر مستشرقین بھی اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکے۔ اس کے ساتھ ساتھ ناسخ منسوخ، اصول حدیث، علم غریب الحدیث، علم تخریج الحدیث، علم اطراف الحدیث، فقہ الحدیث، طبقات کتب حدیث سمیت بیسیوں علوم پر کتب تالیف کی گئیں۔

ان علوم پر سینکڑوں کتب ترتیب دی گئیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:۔

تہذیب التہذیب: حافظ ابن حجر شارح بخاری (اسماء الرجال پر تحریر کی گئی)

تہذیب الکمال: مولف امام یوسف مزی م۷۴۲ھ (اسماء الرجال پر تحریر کی گئی اور اس علم پر سب سے اہم کتاب ہے)

تذکرۃ الحفاظ: مولف علامہ ذہبی۔ (اسماء الرجال پر تحریر کی گئی)

توجیہہ النظر: مولف علامہ طاہر بن صالح الجزائری۔ (اصول حدیث)

کتاب الاعتبار: امام محمد بن موسیٰ (علم الناسخ والمنسوخ)

تحفۃ الاشراف: حافظ مزی (اطراف الحدیث)

علم تخریج الحدیث پر برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی کی ہدایہ اور امام غزالی کی احیاء العلوم علم غریب الحدیث پر زمخشری کی الفائق اور ابن الاثیر کی نہایہ مشہور کتب ہیں۔

(بستان المحدثین، تفہیم الحدیث)

اس دور کے جامعین حدیث میں امام احمد بن حنبل کی مسند احمد، امام بخاری کی صحیح بخاری، امام مسلم کی صحیح مسلم، امام ابوداؤد کی سنن ابوداؤد، امام ترمذی کی سنن ترمذی، امام نسائی کی سنن نسائی، امام ابن ماجہ کی سنن ابن ماجہ احادیث کی معتبر کتب شمار کی جاتی ہیں۔ ان میں مسند احمد کو چھوڑ کر باقی کتب کو صحاح ستہ کہا جاتا ہے۔

دورِ رابع

پانچویں صدی ہجری کے نصف سے دورِ حاضر تک

(451ھ تا حال)

پانچویں صدی ہجری کے نصف سے شروع ہونے والا یہ دور اب تک جاری ہے۔ اس دور میں بہت سے علوم حدیث پر کتب، ان کی شرحیں اور خلاصے لکھے گئے۔ مختلف زبانوں میں ان کتب کے تراجم بھی کیے گئے۔

مختلف اہل علم حضرات نے اپنے ذوق اور ضرورت کے مطابق تیسرے دور کی کتب احادیث میں سے منتخب کر کے احادیث کی مفید کتابیں ترتیب دی، چند ایک کی تفصیل درج ذیل ہے:

- **مشکواۃ المصابیح:** یہ کتاب ولی الدین خطیبؒ نے مرتب کی۔ اس کتاب میں عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق و آداب اور حشر نشر سے متعلق احادیث درج کی گئیں۔
- **ریاض الصالحین:** یہ کتاب امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف نوویؒ کی ہے۔ آپ نے صحیح بخاری کی طرز پر اخلاق و آداب سے متعلق احادیث منتخب کر کے کتاب مرتب کی۔
- **بلوغ المرام:** حافظ ابن حجرؒ شارح بخاری نے مرتب کی۔ اس کتاب میں عبادات اور معاملات سے متعلق احادیث جمع کی گئی ہیں۔ اس کی شرح سُبل السلام عربی میں محمد بن اسمٰعیل نے اور فارسی میں نواب صدیق الحسن خان نے کی ہے۔

احادیث کی اہم کتب کی شرحوں اور حواشی کے ساتھ ساتھ دوسری زبانوں میں ان کے تراجم بھی کیے گئے۔

اس کے علاوہ بہت سے دوسرے محدثین وشارحین جن میں ابن تیمیہؒ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی شامل ہیں نے حدیث کے کام کو اتنا واضح، شفاف اور عام فہم کیا جو بعد میں آنے والوں کے لیے آسانی کا سبب بنا۔

یہ وہ مختلف مراحل اور ادوار تھے جن سے ہوتے ہوئے آقائے نامدار حبیب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ انتہائی صحت کے ساتھ ہم تک پہنچی ہے۔اس کام کو تکمیل تک پہنچانے میں محدثین کی کوششیں اور کاوشیں اتنی شاندار اور قابل داد ہیں جس پر ان محدثین کو جتنا بھی خراج تحسین پیش کیا جائے کم ہے۔

☆☆☆

اقسام حدیث

نوعیت اور متن کے لحاظ سے حدیث کی تین اقسام ہیں:

۱۔حدیث قولی ۲۔حدیث فعلی، ۳۔حدیث تقریری

۱۔حدیث قولی:

حدیث قولی، اس حدیث کو کہتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر مبنی ہو۔ جیسے:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میری اس مسجد (مسجد نبوی) میں نماز پڑھنا، مسجد حرام (خانہ کعبہ) کے علاوہ دوسری تمام مسجدوں میں نماز پڑھنے سے ایک ہزار گنا افضل ہے۔'' (بخاری)

۲۔حدیث فعلی:

حدیث فعلی اس حدیث کو کہتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال یعنی عمل پر مبنی ہو۔ جیسے:

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چھ یا سات لڑائیوں میں حصہ لیا۔ (بخاری)

۳۔حدیث تقریری:

اس سے مراد وہ حدیث ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل پر مبنی نہ ہو بلکہ وہ کام جو آپؐ کے سامنے صحابہ نے کیا اور آپؐ نے خاموشی اختیار فرمائی یا آپؐ کے سامنے کسی عمل کا ذکر ہوا اور آپؐ نے خاموشی اختیار فرما کر سند جواز فراہم کر دی۔ جیسے حضرت قیس بن عمروؓ بن سہل انصاری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو صبح کی نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھتے دیکھا تو فرمایا: ''صبح کی نماز تو دو رکعت ہے'' اس آدمی نے جواب دیا: ''میں نے فرض نماز سے پہلے کی دو رکعتیں نہیں پڑھی تھی، لہذا اب پڑھ لی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے (یعنی اس کی اجازت دے دی) (سنن ابوداؤد)

عدد رواۃ کے اعتبار سے حدیث کی اقسام

عدد سے مراد تعداد ہے اور رواۃ جمع ہے راوی کی، اس کو عددی تقسیم بھی کہتے ہیں۔ راویوں کی تعداد کے اعتبار سے حدیث کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں:

ا۔ مُتَوَاتِر:

اخبار متواترہ یا خبر متواتر ان احادیث کو کہتے ہیں، جنہیں ہر دور میں (یعنی سند کے آغاز، وسط اور آخر میں) اتنی بڑی تعداد میں روایت کیا گیا ہو کہ ان کی تکذیب وانکار پر متفق ہونا ممکن نہ ہو۔ یعنی

- راویوں کی تعداد کا زیادہ ہونا
- ان راویوں کا جھوٹ پر جمع ہونا ناممکن ہونا،
- ابتدائے سند سے آخر تک راویوں کا باہم متصل ہونا
- خبر متواتر مفید علم یقینی ہوتا ہے۔

حدیث متواتر میں ہر طبقے کے راویوں کی کم از کم تعداد کے بارے میں محدثین کا اختلاف ہے لیکن راجح قول یہ ہے کہ ہر دور میں کم از کم دس راوی ہوں۔

خبر آحاد:

خبر متواتر کے برعکس خبر آحاد ان احادیث کو کہتے ہیں جو متواتر کی شرط پر پوری نہ اترتی ہوں یعنی سند کے کسی بھی دور میں ان احادیث کے راویوں کی تعداد دس سے کم ہو جاتی ہے۔

۲۔ مشہور حدیث:

اس سے مراد وہ حدیث ہے جس کے راویوں کی تعداد (سند کے) ہر دور میں تین سے نو تک ہو، یعنی

اس میں متواتر کی سب شرطیں جمع نہ ہوں۔ محدثین اس خبر کی شہرت کے سبب اسے مشہور کہتے ہیں۔ جیسے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ علم کو (دلوں سے) کھینچ کر نہیں نکالتا'' (بلکہ علماء کو اُٹھا لیتا ہے اس طرح علم اُٹھ جاتا ہے) (بخاری)

۳۔ خبرِ عزیز:

علم حدیث کی اصطلاح میں خبرِ عزیز اُس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سندوں کے ہر طبقے میں کم از کم دو راوی ہوں۔ عزیز کے معنی لغت میں غلبہ یا قلت وجود کے ہیں چونکہ عزیز حدیثیں غالبًا دین میں حجت ہیں اور عدد میں کم ہیں اس لیے انہیں عزیز (نادر) کہا جاتا ہے۔

خبرِ عزیز کی مثال:

حضرت انسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی اُس وقت مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کے نزدیک میں (رسول اللہ) اس کے والد، اس کی اولاد اور دیگر تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔'' (بخاری)

۴۔ حدیث غریب:

علم حدیث کی اصطلاح میں وہ حدیث جس کی سند کے مختلف طبقات میں سے کسی طبقے میں صرف ایک ہی راوی رہا ہو غریب حدیث کہلاتی ہے۔ غریب حدیث کو فرد یا مفرد بھی کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں الفاظ مترادف ہیں۔

مثال: ''اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے'' (بخاری)

اس حدیث کے راوی صحابہ میں صرف حضرت عمرؓ بن خطاب ہیں۔

اقسام حدیث بلحاظ اسناد:

حدیث کی سند کے لحاظ سے تین اقسام ہیں۔

۱۔مرفوع

۲۔موقوف

۳۔مقطوع

۱۔مرفوع حدیث:

علم حدیث کی اصطلاح میں وہ حدیث جس میں سلسلہ سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ہوتا ہو گویا آپؐ کے قول، فعل اور تقریر کو مرفوع حدیث کہتے ہیں۔

۲۔موقوف حدیث:

علم حدیث کی اصطلاح میں موقوف سے مراد وہ قول، فعل یا تقریر ہے جس کی نسبت کسی صحابی کی طرف کی گئی ہو۔ گویا ایسی حدیث جس میں سلسلہ سند کسی تابعی پر ختم ہوتا ہو۔ موقوف حدیث کو اثر بھی کہتے ہیں اس کی جمع آثار ہے۔ مثلاً ''حضرت ابن عباسؓ نے امامت کی جب کہ وہ حالت تیمّم میں تھے''۔ (بخاری)

۳۔مقطوع حدیث:

علم حدیث کی اصطلاح میں وہ قول، فعل یا تقریر جس کی نسبت کسی تابعی یا اس سے نیچے کے کسی شخص (تبع تابعی کی طرف کی گئی ہو، گویا وہ حدیث جس میں سلسلہ سند کسی تابعی پر ختم ہو حدیث مقطوع کہلاتی ہے۔ جیسے: ''حضرت مسروقؒ (مشہور تابعی اور صحابی رسول حضرت عبداللہؓ بن مسعود کے شاگرد) اپنے اور گھر والوں کے درمیان پردہ لٹکا کر اس طرح نماز میں مشغول ہو جاتے کہ انہیں اپنے گھر والوں کی سرگرمیوں کا کچھ علم نہ ہوتا۔''

اقسام حدیث بلحاظ صحت

بلحاظ صحت حدیث کی تین اقسام ہیں:

ا۔صحیح:

علم حدیث کی اصطلاح میں وہ حدیث جس کی سند متصل ہو، تمام راوی عادل اور کامل الضبط (حافظ) ہوں،کوئی شذوذ (کسی قوی حدیث کے مخالف) نہ ہواور نہ کوئی علت (مخفی نقص) ہو۔مثلاً امام بخاری کہتے ہیں مجھ سے (میرے استاد) عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، ان کو امام مالک نے، ان کو ابن شہاب زہری نے، ان کو محمد بن جبیر نے، ان کو ان کے والد (مشہور صحابی) جبیرؓ بن مطعم نے بیان کیا:''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورۃ الطّور کی تلاوت کرتے سنا۔'' (بخاری)

۲۔حسن:

علم حدیث کی اصطلاح میں وہ حدیث جس کی صحیح حدیث کی اور تمام صفات پائی جاتی ہوں لیکن ضبط اورفہم (کمزور حافظہ راوی) کی کمی ہوتی ہے۔

۳۔ضعیف:

علم حدیث کی اصطلاح میں ایسی حدیث جس میں صحیح اور حسن حدیث کے تمام اوصاف نہ ہوں ضعیف حدیث کہلاتی ہے۔

اقسام بلحاظ اتصال سند

سند کے متصل وغیر متصل ہونے کے اعتبار سے حدیث کی مندرجہ ذیل تین اقسام ہیں:

ا۔ متصل ۲۔ منقطع ۳۔ مرسل

ا۔متصل:

اتصال متصل سے ہے جس کے معنی ہیں ملانا یا ملنا، اصطلاح میں اس سے مراد وہ حدیث جس کے تمام راوی ایک دوسرے سے متصل ہوں۔ ہر صحیح اور حسن حدیث کے لیے متصل السند ہونا لازمی ہے۔

۲۔منقطع:

اصطلاح میں وہ حدیث جس کے سلسلہ سند میں سے ایک راوی ساقط ہو۔(منقطع میں تبع تابعی، تابعی کا نام لیے بغیر حدیث رسولؐ سے منسوب کرتا ہے)

۳۔مرسل:

علم حدیث کی اصطلاح میں وہ حدیث جس میں راویوں کا سقوط سند کے آخر پر ہو یعنی تابعی کے بعد کسی صحابی کا ذکر نہ ہو۔(مرسل میں تابعی صحابی کا نام لیے بغیر حدیث رسولؐ سے منسوب کرتا ہے) حدیث مرسل ایک غیر متصل حدیث ہے۔

خبر مقبول کی اقسام

خبر مقبول واحد کی چار اقسام ہیں:

ا۔صحیح لذاتہٖ ۲۔صحیح لغیرہٖ ۳۔حسن لذاتہٖ ۴۔حسن لغیرہٖ

ا. صحیح لذاتہٖ:

وہ حدیث جس کے تمام راوی عادل ہوں، کامل الضبط ہوں، اس کی سند متصل ہو اور شذوذ سے پاک ہو صحیح لذاتہ کہلاتی ہے۔

۲. صحیح لغیرہٖ:

اصطلاح میں حدیث حسن لذاتہ کو صحیح لغیرہٖ کہا جاتا ہے بشرطیکہ اس کے اسناد متعدد ہوں، یہ اپنی ذات میں حسن ہوتی ہے لیکن اس کی دوسری سندیں چونکہ قوی ہوتی ہیں اس لیے یہ صحیح کے درجہ پر پہنچ جاتی ہے۔

یہ حدیث صحیح لذاتہٖ سے کم تر ہوتی ہے اور حسن لذاتہٖ سے برتر ہوتی ہے۔

۳. حسن لذاتہٖ:

حسن لذاتہٖ وہ حدیث ہے جس میں صحیح لذاتہٖ کی باقی تمام شرائط موجود ہوتی ہیں لیکن اس کے راوی کا ضبط ناقص (یعنی کمی) ہو۔ یہ حدیث صحیح لذاتہٖ سے درجہ میں کمتر ہے اور واجب العمل ہونے میں یہ (حسن لذاتہٖ) صحیح حدیث کے مشابہ ہے۔

۴. حسن لغیرہٖ:

یہ حدیث اپنی ذات میں ضعیف ہوتی ہے لیکن اس کی دوسری سندیں چونکہ قوی تر ہوتی ہیں اس لیے یہ حسن کے درجے پر پہنچ جاتی ہے۔ حسن لغیرہٖ وہ حدیث ہے، جو حسن لذاتہٖ سے کم تر ہوتی ہے اور ضعیف سے برتر ہوتی ہے۔

کتب حدیث کی اقسام

1۔جامع :

جامع حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں تمام موضوعات پر احادیث موجود ہیں۔ بالخصوص عقائد، احکام، رقاق، آداب طعام وشرب، تفسیر تاریخ وسیرت، قیام، وقعود وسفر، مناقب ومثالب اور باب الفتن وغیرہ جیسے:

الف۔ مشہور زمانہ کتاب صحیح بخاری کا پورا نام **الجامع المسند الصحیح من امور رسول الله ﷺ و سننه و ایامه** ہے۔

ب۔جامع ترمذی

2. سُنن:

وہ کتاب جس میں احادیث کو فقہی مسائل طہارت، نماز، روزہ، زکواۃ، حج اور جہاد وغیرہ کے مطابق جمع کیا گیا ہو۔ایسی کتاب کو سنن کہا جاتا ہے جیسے:

الف۔سنن نسائی۔

ب۔سنن ابن ماجہ۔

3۔ مُسنَد:

وہ کتاب حدیث جس میں ہر صحابی کی روایات ان کے نام کے ساتھ ایک ہی جگہ جمع کر دی گئی ہوں۔اس ترتیب میں بعض اوقات حروف تہجی کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔مثلاً پہلے خلفائے راشدین کی روایت کردہ احادیث پھر عشرہ مبشرہ کی اور پھر اصحاب بدر کی روایات جیسے:

الف۔مسند امام احمد بن حنبل (المتوفی 241ھ)

ب۔ مسند ابی داؤد طیالسی (م204ھ)

4. مُعجَمْ :

معجم میں احادیث، بترتیب حروف تہجی، شیوخ و اساتذہ، بلدان اور قبائل کے ناموں سے ترتیب دی جاتی ہیں۔ جیسے:

معجم کبیر طبرانی المتوفی 360ھ

معجم متوسط طبرانی

معجم صغیر طبرانی

5۔ مُستَدرَک:

مستدرک حدیث کی اس کتاب کے لیے استعمال ہوتا ہے جس میں کسی دوسرے مصنف کی شرائط کے مطابق احادیث جمع کی جائیں جو اصل مصنف کی کتاب میں موجود نہ ہوں۔ جیسے:

مستدرک حاکم (م405ھ)

اس کتاب میں امام حاکم نے امام بخاری اور امام مسلم کی شرائط کے مطابق احادیث جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

6. مُستَخرَج:

مستخرج میں محدث کسی دوسرے مصنف کی کتاب میں درج احادیث کو اپنی سند سے بیان کرتا ہے اس طرح دوسری سند پہلی سند سے کسی مرحلے پر جا کر مل جاتی ہے۔ مثلاً:

الف۔ مستخرج ابی بکر اسماعیل پر صحیح بخاری

ب۔ مستخرج ابی عوانہ پر صحیح مسلم

ج۔ مستخرج محمد بن عبدالمالک بن ایمن پر سنن ابی داؤد

7۔ مُصَنَّف:

مصنف میں ہر صحابی کی روایات کو فقہی ابواب کی ترتیب کے ساتھ مرتب کیا جاتا ہے جیسے:

مصنف عبدالرزاق (م211ھ)

8۔ اربعین :

ایسی کتاب جس میں ایک یا ایک سے زائد عنوانات پر 40 احادیث جمع کی گئی ہوں۔ جیسے:
اربعین نووی

9۔ جز یا مفرد :

اس مجموعہ حدیث کو کہتے ہیں جس میں صرف ایک راوی کی مرویات کو جمع کیا گیا ہو جیسے:
جز ابی بکر،
یا جس میں صرف ایک مسئلہ سے متعلق احادیث کو جمع کیا گیا ہو مثلاً امام بخاری کا جز رفع الیدین فی الصلواۃ

10۔ کتب العلل:

ان احادیث کی کتب کے لیے استعمال ہوتا ہے جن میں احادیث معلومہ کو جمع کیا جائے اور ان کی علت بھی بیان کردی جائے۔ جیسے: امام مسلم کی کتاب العلل ،امام حاکم اور محدث ابن جوزی کی کتب۔

11۔ کتب الامالی :

امالی کا واحد املاء ہے۔ ایک محدث حلقہ درس قائم کر کے بیٹھ جاتا اور اس کے تلامذہ اس کے گرد قلم دوات لے کر بیٹھ جاتے اور محدث سے جو لکھوا تا تحریر کرتے ۔ جب ایک کتاب تیار ہو جاتی اسے املاء کہا کرتے۔ جیسے: امالی ابن حجر، امالی ابن عساکر وغیرہ۔

12۔ کتب الاطراف:

وہ کتاب حدیث جس میں کسی حدیث کا ایک حصہ ذکر کیا جائے جو باقی ماندہ حدیث پر دلالت کرتا ہو اور اس کی تمام تر سندوں کو یکجا کیا جائے ۔ جیسے حافظ ابن عساکر کی الاشراف علی معرفۃ الاطراف وغیرہ۔

(بستان المحدثین، تدریب الراوی، مقدمہ تحفۃ الاخوذی، حدیث کی ضرورت و اہمیت، کشف الظنون)

☆☆☆

صحاح ستہ

احادیث کی چھ کتابوں بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد اور ابن ماجہ کو عام طور پر صحاح ستہ (چھ صحیح کتابیں) کہا جاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان تمام کتابوں کی ساری احادیث صحیح ہیں۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ان چھ کتابوں میں سے صرف امام بخاری اور امام مسلم ہی نے صحیح احادیث کا التزام کیا ہے بقیہ چار کتابیں سنن اربعہ کہلاتی ہیں۔ ان چار کتابوں کو **تغلیباً صحاح** کہا جاتا ہے کیوں کہ ان کا غالب حصہ صحیح حدیثوں پر مشتمل ہے۔ سنن اربعہ میں صحیح، حسن اور ضعیف ہر قسم کی احادیث شامل ہیں۔

امام بخاریؒ

حضرت امام محمد بن اسماعیل بن ابراہیم البخاری 13 شوال 194ھ بروز جمعہ پیدا ہوئے۔ آپ نے بے مثال حافظہ پایا۔ تحصیل علم میں بچپن اور لڑکپن صرف کیا۔ دس سال کی عمر سے پہلے حدیثیں یاد کرنا شروع کر دیں۔ ایک ہزار سے زائد اساتذہ سے حدیثیں لکھیں۔ آپ کے اساتذہ میں اسحٰق بن راہویہؒ (م 238ھ)، علی بن مدینیؒ (م 234ھ)، ضحاک بن مخلد (م 212ھ) عبیداللہ بن موسیٰ (م 213ھ) اور محمد بن عبداللہ انصاری شامل ہیں۔ طلب حدیث میں کئی مرتبہ شام، مصر، بصرہ، کوفہ، بغداد، سمرقند، نیشاپور سمیت کئی علاقوں کا سفر کیا۔ (بستان المحدثین)

محمد بن سلیمان ابن فارس کہتے ہیں میں نے امام بخاری سے سنا وہ کہتے تھے:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، جیسے میں آپ کے سامنے کھڑا ہوں اور میرے ہاتھ میں ایک پنکھا ہے، جس میں مکھیاں اڑا رہا ہوں تو میں نے اس خواب کی تعبیر بعض تعبیر بتانے والوں سے پوچھی۔ انہوں نے کہا کہ تم رسولؐ پر سے جھوٹ کو اڑا دو گے۔ اس خواب نے مجھے اس کتاب کی تالیف پر مستعد کیا۔''

صحیح بخاری آپ کی مشہور تصنیف ہے جس کو مکمل کرنے میں آپ کو سولہ سال لگے۔ کتاب مکمل کر کے اپنے وقت کے بڑے محدثین کے سامنے پیش کیا جن میں امام احمد بن حنبلؒ، یحیٰ بن معینؒ اور حضرت علی

ابن المدینیؒ شامل ہیں۔سب نے آپ کی کتاب کو پسند کیا۔

محمد بن یوسف فربریؒ فرماتے ہیں: امام بخاری کہتے تھے: ''میں نے اس کتاب میں کوئی حدیث نہیں لکھی، جب تک کہ غسل نہیں کیا اور دو رکعتیں نہیں پڑھیں۔''

کئی ہزار طلبہ نے آپ سے صحیح بخاری کا درس لیا جن میں سے مشہور ترین امام ترمذی، امام مسلم اور ابراہیم بن اسحٰق الحری ہیں۔صحیح بخاری کی اسی (80) سے زائد شرحیں لکھی گئی ہیں جن میں سے فتح الباری از حافظ ابن حجر عسقلانی اور عمدۃ القاری از بدرالدین عینی مشہور شرحیں ہیں۔

امام بخاری نے 256ھ میں 62 سال کی عمر میں سمرقند کے قریب ایک گاؤں خرتنگ میں وفات پائی۔

صحیح بخاری

صحیح بخاری کا پورا نام **الجامع المُسْنَد الصَّحیح من امورِ رسولِ اللهِ صلی الله علیه وسلم وَسُنَنِهٖ وَاَيَّامِهٖ** ہے

صحیح بخاری کے بارے میں تمام محدثین اور علماء کا اتفاق ہے کہ قرآن کے بعد صحیح ترین کتاب امام بخاری کی صحیح ہے۔

امام بخاری نے چھ لاکھ احادیث (سندوں) میں سے انتخاب کیا اور سولہ سال کے عرصہ میں اس کتاب کو مسجد حرام خانہ کعبہ میں مکمل کیا۔ ہر حدیث کو استخارہ کرنے اور دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد درج کیا۔

صحیح بخاری میں **تعلیقات** کے ساتھ کل احادیث کی تعداد 9,082 ہے۔ **تعلیقات** سے مراد وہ احادیث ہیں جن کی سند میں بعض راویوں کا ذکر حذف کر دیا گیا ہو۔

مقررہ احادیث کے ساتھ روایات کی کل تعداد 7,275 ہے۔

تکرار کے بغیر احادیث کی تعداد علامہ قاسم الرفاعی کی تحقیق اور ترقیم کے مطابق 2,360 ہے۔

امام مسلمؒ

امام مسلم بن حجاج بن مسلم قشیری نیشاپوری 204ھ میں نیشاپور (شمال مشرقی ایران، مشہد) میں پیدا ہوئے۔علم کی طلب میں حجاز، شام، عراق اور مصر گئے۔امام بخاری کے اساتذہ سے بھی فیض یاب ہوئے۔

آپ کے اساتذہ میں امام احمد بن حنبلؒ، امام سعید بن منصور اور امام اسحٰق بن راہویہؒ زیادہ مشہور ہیں۔

آپ کے شاگردوں میں سے مشہور امام ترمذیؒ، موسیٰ بن ہارون، ابوعوانہ یعقوب بن اسحٰق اور علی بن حسین ہیں۔

آپ نے احادیث کی تلاش میں مختلف سفر کیے۔ علوم حدیث میں متعدد کتب تالیف کیں جن میں سے مشہور صحیح مسلم ہے۔ آپ حد درجہ متقی تھے۔ احادیث کی پہچان میں اپنے معاصرین سے ممتاز تھے بلکہ بعض امور میں اپنے استاد امام بخاری پر بھی فوقیت رکھتے تھے۔ آپ کو تین لاکھ احادیث یاد تھیں جن میں سے انتخاب کر کے آپ نے جامع الصحیح مرتب کی۔

آپ کی تالیف صحیح المسلم کا درجہ صحیح بخاری کے بعد ہے۔ صحیح مسلم کی 15 سے زیادہ شرحیں لکھی گئیں۔ سب سے مشہور شرح امام نوویؒ (م 676ھ) کی ہے۔

امام مسلمؒ نے 261ھ میں 57 سال کی عمر میں نیشاپور میں وفات پائی۔

صحیح مسلم

صحیح مسلم میں مکرر احادیث سمیت کل احادیث کی تعداد 7275 ہے اور اگر مکررات کو شمار نہ کیا جائے تو پھر احادیث کی تعداد چار ہزار رہ جاتی ہے۔ حسن ترتیب کے اعتبار سے صحیح مسلم صحیح بخاری سے افضل ہے۔ لیکن راویوں کی چھان بین کے سلسلہ میں امام بخاری کا معیار امام مسلم سے بلند ہے۔ امام بخاری کے نزدیک راوی کی اپنے استاد کے ساتھ ملاقات کا ثبوت ضروری ہے جبکہ امام مسلم کے نزدیک صرف ہم عصر ثابت ہونا کافی ہے۔ صحیح مسلم کا طرز ادا بخاری کی نسبت زیادہ بلند ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم کو شیخین کہتے جبکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو صحیحین اور وہ حدیث جس کی تخریج امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے کی ہوا سے متفق علیہ کہتے ہیں۔ ان کی تعداد 2,326 ہے۔

جامع ترمذی

یہ امام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ کی تالیف ہے۔ آپ 209ھ میں ترمذ (از بکستان) میں پیدا ہوئے۔

آپ کے اساتذہ میں امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداود جیسی ہستیاں شامل ہیں۔خراسان اور حجاز میں عمر کا بڑا حصہ گزارا۔طلب حدیث میں مختلف دیار اور امصار کی خاک چھانی۔فن حدیث میں متعدد کتب یادگار چھوڑیں جن میں سے سب سے مشہور جامع ترمذی ہے۔امام ترمذی نے 279ھ میں 70 سال کی عمر میں وفات پائی۔

جامع ترمذی کی خصوصیات:

جامع ترمذی میں احادیث کی کل تعداد 4, 234 ہے۔ضعیف احادیث کو چھوڑ کر صحیح احادیث کی تعداد 3,402 بنتی ہے۔

اس کتاب کی ترتیب بے نظیر اور تکرار سے پاک ہے۔

اس کتاب میں امام ترمذی نے ہر حدیث کا درجہ بھی ساتھ ساتھ بیان کر دیا ہے۔نیز صحابہ کرام، تابعین اور فقہائے اسلام کے مختلف اقوال بھی نقل کیے ہیں۔

جامع ترمذی صرف احادیث کا مجموعہ نہیں بلکہ فقہ کی کتاب بھی ہے۔

سنن ابی داؤد

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعت 202ھ میں سیستان میں پیدا ہوئے۔بعد میں بصرہ آ گئے۔امام احمد بن حنبل کے خصوصی شاگرد تھے۔حفظ حدیث اتقان روایت عبادت وتقویٰ اور صلاح واحتیاط میں بلند درجہ رکھتے تھے۔آپ نے 275ھ میں 73 سال کی عمر میں بصرہ میں وفات پائی۔

خصوصیات:

سنن ابوداؤد امام ابوداؤد کی شاندار تالیف ہے یہ کتاب فقہی اور قانونی مسائل کا بہترین ماخذ ہے۔

امام ابوداؤد کا اپنا بیان ہے کہ میں نے پانچ لاکھ احادیث جمع کیں جن میں سے 4,800 احادیث صحیحہ اپنی کتاب میں درج کیں جبکہ (شیخ البانیؒ کے نزدیک) مکرر روایات کو ملا کر کل احادیث کی تعداد 5,182 بنتی ہے۔

خود امام ابوداؤد بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب میں کوئی ایسی حدیث درج نہیں کی جو تمام علمائے حدیث کے نزدیک قابل ترک ہو۔امام صاحب ضعیف روایتوں کے ضعف کی بھی تشریح کر دیتے

ہیں۔آپ نے اپنی کتاب مکمل کرنے کے بعد اپنے استاد امام احمد بن حنبل کو دکھایا جسے انہوں نے بہت پسند کیا۔ ابوداؤد کی متعدد شرحیں بھی لکھی گئی ہیں ان میں امام خطابی کی معالم السنن اور عون المعبود زیادہ مشہور ہیں۔

سنن نسائی

امام عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی خراسان کے شہر نساء میں 215ھ میں پیدا ہوئے۔تحصیل علم کے لیے خراسان، مکہ، مدینہ، مصر، عراق، جزیرہ، شام وغیرہ کا سفر کیا۔بعد میں مصر میں مقیم ہوگئے۔یہیں رہ کر اپنے تصنیف وتالیف کے کام کو آگے بڑھایا اور عرصہ تک اس کام میں مشغول رہے۔آپ کے اساتذہ میں قتیبہ بن سعید، امام اسحاق امام ابوداؤد اور امام ترمذی شامل ہیں۔شاگردوں میں امام طبرانی، امام طحاوی اور احمد بن اسحاق جیسی معروف شخصیات کے نام آتے ہیں۔وفات سے ایک سال پہلے دمشق آگئے۔303ھ میں 88 سال کی عمر میں رملہ (فلسطین) میں انتقال ہوا اور بیت المقدس میں دفن ہوئے۔

سنن نسائی کی خصوصیات:

امام نسائی نے سنن کبریٰ اور سنن صغریٰ کے نام سے دو کتب مرتب کیں۔سنن کبریٰ میں 13,102 حدیثیں ہیں۔سنن صغریٰ یعنی مجتبیٰ (سنن نسائی) میں احادیث کی کل تعداد 5,758 ہے۔یہی دوسری کتاب مشہور زمانہ سنن نسائی کہلاتی ہے۔

سنن نسائی تراجم، ابواب (عنوانات)، اور فقہ الحدیث میں صحیح بخاری سے بہت ملتی ہے۔اس کتاب میں ضعیف احادیث کی تعداد بہت کم ہے۔امام صاحب حدیث کی علتوں کے ماہر تھے اور اس راوی کی روایت کو ترک کر دیتے جو اوہام کا شکار ہو یا پھر بہت زیادہ غلطیاں کرتا ہو۔

امام نسائی نے اس کے علاوہ بھی علم حدیث میں بہت سی کتب تالیف کی ہیں۔

حافظ ابوعلی کہتے ہیں کہ کتابت حدیث میں امام نسائی کی شرائط امام مسلم سے بھی کڑی ہیں۔امام حاکم اور خطیب بغدادی کی بھی یہی رائے ہے۔امام ذہبی اور تاج الدین سبکی نے نسائی کی بہت سی شرحوں کا ذکر کیا ہے مثلاً شیخ سراج الدین عمر بن علی کی شرح نیز جلال الدین سیوطی اور ابوالحسن کی شرحیں قابل ذکر ہیں۔

سنن ابن ماجه

امام ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی 209ھ میں عرق عجم کے مشہور شہر قزوین میں پیدا ہوئے۔ حصول علم اور احادیث کو جمع کرنے کے لیے کوفہ، بصرہ، شام، مصر اور دیگر ممالک کا سفر کیا۔ آپ کے اساتذہ میں امام ابوبکر بن ابی شیبہ (م 235ھ) جیسے بزرگ شامل ہیں۔ ابن ماجہ کے لقب کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ صحیح تر یہ ہے کہ ماجہ امام موصوف کی والدہ کا نام ہے اور یہ اسی نام سے مشہور ہوئے۔ ابن ماجہ نے 22 رمضان 273ھ میں 64 سال کی عمر میں وفات پائی۔

(الحطة فی ذکر الصحاح ستہ)

ابن ماجہ نے بہت سی مفید کتب تالیف کیں جن میں سے ایک سنن ابن ماجہ ہے۔ سنن ابن ماجہ کو صحاح ستہ میں چھٹی کتاب سمجھا جاتا ہے۔ اس میں علامہ محمد فواد عبدالباقی کی تحقیق کے مطابق 4,341 احادیث ہیں۔ ان احادیث میں سے 3,002 وہ احادیث ہیں جو کتب خمسہ (بخاری، مسلم، نسائی، ابی داؤد، اور ترمذی) میں بھی موجود ہیں 1,339 زوائد ہیں۔ یعنی جو باقی پانچ کتب میں نہیں۔

محدث ابوذر کے نزدیک سنن ابن ماجہ میں ضعیف اور موضوع روایات بھی موجود ہیں مگر ان کی تعداد بہت کم ہے۔ اس کتاب کا معیار صحاح ستہ کی باقی کتب کی نسبت فروتر ہے۔ (بستان المحدثین)

بعض محدثین ابن ماجہ کے بجائے سنن دارمی کو صحاح ستہ کی چھٹی کتاب مانتے ہیں۔

مُسْنَدِ اَحْمَد

آپ کا نام احمد بن محمد بن حنبل ہے، ربیع الاول 164ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ بچپن اور لڑکپن بغداد میں گزرا۔ قرآن و حدیث اور دیگر مروجہ علوم میں مہارت حاصل کی۔ بغداد کے تقریباً تمام شیوخ اساتذہ سے علم حاصل کیا جن میں امام شافعی بھی شامل ہیں۔ درس و تدریس سے وابستہ رہے اور تشنگان علم دور دور سے آکر فیض یاب ہوتے۔ معتزلہ کے مسئلہ "خلق قرآن" کے خلاف آپ نے بھرپور آواز اُٹھائی جس پر قید ہوئے، شدید ایذائیں دی گئیں مگر اپنے موقف پر قائم رہے۔ 240ھ میں بغداد میں وفات پائی، پانچ لاکھ لوگ نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔

مسند احمد امام احمد بن حنبل (م 241ھ) کی تالیف ہے۔ مسند کی جمع مسانید ہے اور یہ لفظ اُس مجموعہ حدیث کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جس میں محدث احادیث کو موضوعات کی بجائے اسمائے صحابہ کی ترتیب سے جمع کرتا اور ترتیب دیتا ہے۔ مسند احمد میں تقریباً چالیس ہزار روایتیں ہیں۔ ان میں سے اگر مکررات کو حذف کر دیا جائے تو ان کی تعداد تقریباً اٹھائیس ہزار رہ جاتی ہے۔ امام شمس الدین الجزری لکھتے ہیں کہ:

''امام احمد نے مسند کی جمع و تدوین کا کام 180ھ میں شروع کیا۔ الگ الگ اوراق میں لکھا پھر اجزا میں تبدیل کیا۔ مسند احمد میں تیس ہزار احادیث تھیں بعد میں آپ کے بیٹے نے دس ہزار احادیث کا اضافہ کیا۔ اس طرح اس میں کل چالیس ہزار احادیث ہیں۔''

مشکوۃ المَصَابیح

مشکوٰۃ المَصَابیح مختلف احادیث پر مشتمل وہ مجموعہ حدیث ہے جس میں مختلف کتب احادیث سے حدیثیں جمع کی گئی ہیں۔ سب سے پہلے امام حسین بن مسعود بغوی (م 516ھ) نے مصابیح السنہ کے نام سے یہ کتاب مرتب کی جس کے ہر ایک باب میں دو فصلیں تھیں۔ فصل اول میں صحیحین (بخاری و مسلم) کی جبکہ دوسری فصل میں جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، اور سنن ابن ماجہ سے احادیث جمع کی گئی تھیں۔

اس کے تقریباً دوسو سال بعد، حضرت ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب العمریؒ (م 743ھ) نے اس کے ہر باب میں تیسری فصل کا اضافہ کیا اور اس کا نام مشکوۃ المَصَابیح رکھا۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اول الذکر محدث کے برعکس تیسری فصل میں صحیح، حسن، ضعیف اور موضوع ہر قسم کی روایات موجود ہیں۔

موجودہ عہد کے مشہور محدث علامہ محمد ناصر الدین البانیؒ م 1420ھ کی تحقیق کے ساتھ تین جلدوں میں شائع ہونے والے نئے ایڈیشن میں کل 6,285 احادیث ہیں۔

(بستان المحدثین، فتح الباری، حدیث کی ضرورت و اہمیت)

☆☆☆

منتخب بیس احادیث

اَرْبَعِیْن نَوَوِیْ

از

امام یحییٰ بن شرف نووی

امام یحییٰ بن شرف نووی

تعارف مولف:

امام یحییٰ بن شرف حزامی کا شمار کبار محدثین میں کیا جاتا ہے۔آپ شام کے دارالخلافہ دمشق کے نواحی گاؤں نویٰ میں محرم 631ھ کو پیدا ہوئے۔اسی نسبت سے آپ کو نووی یا نواوی بھی کہا جاتا ہے۔آپ کا لقب محی الدین ہے۔بچپن میں ہی قرآن کریم حفظ کرلیا اور اپنے دور کے رائج تمام علوم میں کمال مہارت حاصل کی۔اس کے ساتھ درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔کثرت مطالعہ کے ساتھ ساتھ عبادت وریاضت میں بھی ہروقت منہمک رہتے۔جو ملتا کھالیتے جو ملتا پہن لیتے۔عمر بھر مجرد رہے شادی نہ کی اور انتہائی سادہ زندگی بسر کی۔

علم وفضل اور زہد وتقویٰ کے ساتھ ساتھ آپ بڑے بے باک اور نڈر مجاہد بھی تھے۔غلط کام پر شاہان وقت کو بھی ٹوک دیتے۔آپ کے رعب ودبدبہ اور علمی قدر ومنزلت کی وجہ سے سلاطین زمانہ بھی جھجکتے تھے۔665ھ میں حج کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور مدرسہ اشرفیہ کے رئیس المدرسین قرار پائے۔آخر وقت تک آپ وہاں بلاتنخواہ کام کرتے رہے۔

آپ شافعی المسلک تھے لیکن اپنی تصانیف میں بکثرت حنفی فقہاء کے اقوال بھی درج کیے ہیں۔آپ ہر طرح کے تعصب سے پاک تھے۔زندگی کے آخری ایام میں آبائی وطن واپس لوٹ آئے۔یہیں آکر بیمار پڑ گئے۔بلاآخر 14 رجب 676ھ میں علم وفضل اور زہد وتقویٰ کا یہ آفتاب عالم تاب اپنی تمام تر تابانیوں کے ساتھ 45 برس کی عمر میں غروب ہوگیا۔آپ کو آبائی قصبہ نویٰ میں دفن کیا گیا۔

تصانیف وتالیفات:

آپ کا شمار کثیر التصانیف علماء میں کیا جاتا ہے۔آپ اپنے دور کے تمام علوم میں مہارت رکھتے تھے ۔ بے مثل فقیہہ اور یکتائے روزگار محدث تھے۔آپ کی تصانیف میں سے چند ایک تصنیفات مندرجہ ذیل ہیں:۔

ا۔شرح صحیح مسلم	۲۔ریاض الصالحین (حدیث کی مشہور کتاب ہے)
۳۔الازکار	۴۔الاروضہ
۵۔المنہاج	۶۔تہذیب الاسماء واللغات
۷۔شرح المہذب	۸۔اربعین نووی

(شعۃ اللمعات شیخ عبدالحق،الاکمال فی اسماء الرجال،تفسیر القران)

کچھ اربعین کے بارے میں:

اربعین نویسی میں اولیت کا شرف حضرت عبداللہ بن مبارک کے حصے میں آیا۔ان کے بعد متقدمین ومتاخرین میں سے بے شمار محدثین نے چالیس احادیث کے مجموعے مرتب کیے۔اس کو اصطلاح میں ''اربعین'' چالیس احادیث کہتے ہیں۔چالیس احادیث کی تدوین میں علمائے حدیث کا اپنا اپنا طریقہ رہا ہے۔اربعین کی وجہ تالیف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ ذیل ارشادات گرامی ہیں جنہوں نے اُمت میں اس کام کا ذوق وشوق پیدا کیا:۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:''اللہ اس شخص کے چہرے کو آب وتاب اور رونق بخشے جس نے میری بات سن کر یاد رکھی اور دوسروں تک پہنچائی۔بہت ممکن ہے کہ پہنچانے والا دینی مسائل میں اتنی دسترس نہ رکھے جتنی وہ جسے پہنچایا جائے۔''

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے اس شخص سے کہا جائے گا کہ:''تو جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو''۔جبکہ حضرت ابودرداؓ کی روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے حق میں شفاعت کرنے اور گواہی دینے کا ذمہ لیا ہے''۔

امام نووی نے اربعین کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نقل کی

ہے کہ ''جس نے دینی احکام ومسائل سے تعلق رکھنے والی چالیس احادیث میری امت میں محفوظ کردیں تو وہ بروز قیامت زمرہ علماء وفقہاء میں شمار ہوگا اوراس کا حشر نشر بھی انہی کے ساتھ ہوگا۔''

یہ اوراس طرز کی اور بہت سی احادیث اس پر دال ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اقوال واعمال کی اشاعت کا کتنا اہتمام تھا۔ اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے محدثین نے ہر دور میں احادیث کی تدوین و اشاعت میں انتہائی جانفشانی سے کام لیتے ہوئے ایسے یادگار شاہکار چھوڑے جو رہتی دنیا تک اپنی مثال آپ ہیں۔ اربعین نووی بھی ایسا ہی ایک شاہکار ہے جسے تدوین کے بعد ہر دور میں وہ قبول عام اور بقائے دوام نصیب ہوا جو بامشکل ہی کسی اور اربعین کے حصے میں آیا اوراس پر ہر دور میں شرحیں اور حواشی تحریر کیے گئے۔

اربعین نووی کی خصوصیات میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ یہ جن احادیث پر مشتمل ہے وہ سب سنداً صحیح اور اکثر بخاری ومسلم میں موجود ہیں یعنی متفق علیہ ہیں۔

۲۔ اس مجموعہ احادیث میں صرف وہی احادیث شامل ہیں جو دین میں اصل واساس کی حیثیت رکھتی ہیں یعنی جن کے بارے میں علمائے حدیث نے ''نصف اسلام، اسلام کی ایک تہائی، چوتھائی'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

۳۔ سند کے بجائے متن حدیث کو مدنظر رکھا گیا ہے اور یہ احادیث ان مسائل واحکام پر مشتمل ہیں جن کا جاننا ہر مسلمان مرد وعورت پر ضروری ہے۔

مختصراً یہ کہ یہ ایک ایسا مجموعہ حدیث ہے جس کی حیثیت اوراہمیت ہر دور میں مسلمہ رہی ہے۔

اربعین نووی میں سے بیس منتخب احادیث اس کتاب میں شامل کی گئی ہیں نیز ان احادیث کی آسان اور عام فہم شرح بھی کی گئی ہے۔

☆☆☆

حدیث نمبرا

اہمیت نیت

عَنْ اَمَيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَبِىْ حَفْصٍ عُمَرَ ابْنِ الخَطابِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِكُلِّ امْرَىءٍ مَّانَوٰى، فَمَنْ كَا نَتْ هِجْرَتُهُ اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهُ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصِيْبُهَا اَوِ اِمْرَاَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ اِلٰى مَا هَا جَرَ اِلَيْهِ ، رَوَ اهُ الْبُخَارِىُّ وَ مُسْلِمٌ. (اربعین نووی، حدیث نمبر:ا)

ترجمہ:

امیر المومنین ابوحفص عمرؓ بن خطاب سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا وہ فرماتے ہیں، بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور بے شک ہر آدمی کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ جس نے ہجرت کی اللہ اور اس کے رسول کی طرف پس اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے اور جس کی ہجرت دنیا کے لیے وہ اسے پالے گا یا عورت کے لیے ہے کہ اس سے نکاح کرے پس اس کی ہجرت اس کی طرف ہے جس کے لیے اس نے ہجرت کی۔ اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

شرح حدیث

یہ حدیث باتفاق محدثین صحیح ہے اور انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ اس وجہ سے محدثین اسی حدیث سے اپنی تصانیف کا آغاز کرتے ہیں۔ امام نووی نے بھی اسی حدیث سے کتاب کا آغاز کیا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک یہ حدیث نصف العلم کی جامع ہے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ایک تہائی اسلام کو شامل

ہے۔آغاز میں اس حدیث کو لانے کا مطلب یہ بھی ہے کہ مطالعہ کرنے والا مطالعہ سے قبل اپنی نیت کو درست کرلے اور کسی دنیوی غرض کے لیے اس کے مطالعہ کا قصد نہ کرے۔ (التعلیق الصبیح)

اس حدیث مبارکہ میں اعمال کے حوالے سے نیت کی اہمیت بیان کی گئی ہے کیونکہ اعمال میں نیت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔اگر نیت درست ہوگی تو تمام اعمال بھی درست قرار پائیں گے۔ورنہ اعمال برباد ہو جائیں گے۔

اس حدیث کا پس منظر یہ ہے جسے عبداللہ بن ابن مسعود نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے اُم قیس نامی عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا۔اس نے شرط لگائی کہ تم ہجرت کر کے مدینہ آ جاؤ تو میں نکاح کرلوں گی۔اس پر وہ ہجرت کر کے مدینہ آ گیا اور اس سے نکاح کرلیا۔صحابہ کرام اس کو مہاجر اُم قیس کہہ کر پکارتے۔جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقع کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا جو اُوپر بیان کیا گیا ہے۔

نیت کا تعلق دل سے ہے اور اعمال میں دل کا کردار بہت بنیادی نوعیت کا ہے۔جیسا کہ ایک اور جگہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے انسانی جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر وہ درست ہو گیا تو پورا جسم درست ہوگا اور اگر وہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ گیا اور وہ دل ہے۔اسلام نے سب سے زیادہ زور اصلاح نیت پر دیا ہے اور تمام عبادات کا محور و مرکز تقویٰ ہی کو قرار دیا ہے۔تقویٰ وہ قوت روحانی ہے جو دل کو برائیوں سے روکتی ہے اور اچھائی کی کیفیت کو غالب کر دیتی ہے جس سے دل پر نیکی کا جذبہ غالب اور برائی مغلوب ہو جاتی ہے۔

نیت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اعمال کے بغیر بھی اللہ کی طرف سے نیکی کا اجر ملتا ہے چنانچہ ارشاد نبویؐ ہے ''جب کوئی نیکی کا ارادہ کرتا ہے اور اُسے (کسی سبب) نہیں کرسکتا تو اللہ تعالیٰ اُس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دیتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کی نظر انسان کی نیت پر ہوتی ہے۔اور اُس تک صرف نیت اور ارادہ ہی پہنچتا ہے باقی تمام اعمال دنیا میں ہی رہ جاتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے قلوب اور اعمال کو دیکھتا ہے۔''

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَاوَلَادِمَآؤُهَاوَلٰكِنْ یَنَالُهُ تَقْوٰى مِنْكُمْ.

(سورة الحج: ۳۷)

''اللہ تعالیٰ کے پاس تمہاری قربانیوں کے گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ اُس کے ہاں تمہارے دل کا تقویٰ پہنچتا ہے''

اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ ہر وقت اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا رہے اس سے اُس کی نیت درست رہتی ہے۔ شیطانی وسوسے سے خود کو بچاتا رہے اور اللہ کی پناہ طلب کرتا رہے۔ نیک لوگوں کی صحبت اور دُعا بھی اصلاح نیت میں اکسیر کا درجہ رکھتی ہے اور تعمیر سیرت کا اہم زریعہ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تلاوت قرآن، مطالعہ حدیث اور دینی کتب کا مطالعہ بھی تزکیہ نفس میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ انسان کو اول و آخر اپنی نیت میں خدا کی رضا کو مدنظر رکھنا چاہیے اسی پر تمام اعمال کا دارومدار ہے۔

☆☆☆

حدیث نمبر۲

ارکان اسلام

عَنْ اَبِیْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَهَادَةِاَنْ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْ لُهٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِوَ اِیْتَآءِ الزَّكٰوةِوَحَجِّ الْبَیْتِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ، رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَمُسْلِمٌ.

(اربعین نووی، حدیث نمبر:۳)

ترجمہ:

حضرت ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر رکھی گئی ہے۔اس بات کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکواۃ دیتے رہنا اور بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔اسے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا۔

شرحِ حدیث

ارکانِ اسلام

اس حدیث مبارکہ میں اسلام کے ابتدائی ارکان بیان کیے گئے ہیں اور انہیں اسلام کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔اگر ہم اسلام کو ایک عمارت سے تعبیر کریں تو یقیناً اس کے پانچ ستون یہی پانچ ارکان کہلائیں گے۔ذیل میں اس کی مختصر وضاحت پیش ہے:۔

ا۔کلمہ شہادت:

اسلام میں کلمہ طیبہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اس کے بغیر کوئی بھی انسان دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوسکتا۔کلمہ طیبہ کے دو حصے ہیں۔پہلا حصہ توحید یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمام معبودان باطلہ کا انکار اور اس کی توحید کا اقرار۔اس کو اسلامی اصطلاح میں نظریہ توحید کہتے ہیں اور یہ اسلامی عقائد کی بنیاد بلکہ حاصل اسلام اور روح دین ہے۔تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا بنیادی نکتہ توحید ہی تھا۔اسی دعوت کا دوسرا حصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق پر مشتمل ہے۔یعنی یہ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو پیغام لے کر آئے اس کی بنیاد وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُنہیں عطا ہوا۔ آپ صلی اللہ وعلیہ وسلم کی پیروی کیے بغیر ایمان کا دعویٰ ایک بے حقیقت چیز ہے۔قرآن کریم نے اطاعت رسول پر بے حد زور دیا ہے۔اس سے واضح ہوا کہ کلمہ طیبہ توحید ورسالت دو حصوں پر مشتمل ہے اور ان دونوں حصوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔کلمہ کی اہمیت کے بارے میں بنی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''جس نے لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہوا''۔

۲۔نماز:

کلمہ کے بعد دوسرا رکن نماز ہے۔قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے سات سو مرتبہ نماز کا حکم دیا ہے۔ دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد یہ پہلی آزمائش ہے جس پر ایک مسلمان کی کامیابی اور ناکامی کا دارومدار ہے۔قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا۔اقامت الصلواۃ سے مراد پوری شرائط اور آداب کے ساتھ وقت کا خیال اور جماعت کی پابندی کرتے ہوئے نماز کا اہتمام کرنا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے''جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کی اُس نے کفر کیا''۔مسلمان اور کافر کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز ہے۔اس لیے قرآن اور احادیث میں جگہ جگہ نماز کی تاکید کی گئی ہے۔اور اس کے ادا نہ کرنے پر شدید وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔

۳۔زکواۃ:

زکواۃ اسلام کا اہم رکن ہے اور اس حدیث کے مطابق اس کا تیسرا نمبر آتا ہے۔یہ وہ مالی عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب نصاب مسلمان پر سال میں ایک مرتبہ مقررہ شرح سے فرض کی ہے۔سورۃ توبہ

میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اے نبی ان کے اموال میں سے زکواۃ لیں تا کہ ان کے ذریعے سے آپ ان کو پاک کریں اوران کا تزکیہ کریں'' (التوبہ 103)۔

اسلامی معاشرے کی مثال ایک مثالی معاشرے کی ہوتی ہے جہاں امیر غریب سب کو یکساں حقوق حاصل ہوتے ہیں۔معاشرے کے امیر لوگ زکواۃ ادا کر کے جب غریب لوگوں کی مدد کرتے ہیں تو اس سے وہ معاشرہ میں باعزت زندگی بسر کرتے ہیں۔اس کے برعکس زکواۃ ادا نہ کرنے والوں کے لیے احادیث میں شدید وعیدیں آئی ہیں۔

۴۔روزہ:

اسلام کا چوتھا اہم رکن روزہ ہے۔قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اس کی فرضیت کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے

''تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے۔تا کہ تم متقی بن جاؤ (البقرۃ:183)۔

روزہ ماہ رمضان میں صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور ہر طرح کی نفسانی خواہشات سے پرہیز کرنے کا نام ہے۔روزے کا حقیقی مقصد مسلمانوں کے اندر تقویٰ کا حقیقی جذبہ پیدا کرنا ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ''جس نے ایمان اور احتساب کے ساتھ روزہ رکھا اُس کے تمام پہلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے''۔

۵۔حج:

اسلام کا پانچواں اہم رکن ہے۔یہ ایسی عظیم عبادت ہے جس میں دوسری تمام عبادات کی روح موجود ہے۔حج ذوالحجہ کی مخصوص تاریخوں میں متعین طریقہ پر خانہ کعبہ کی زیارت اور دوسرے اعمال بجالانے کا نام ہے۔قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اس کی فرضیت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً. (ال عمران:97)

''اور استطاعت رکھنے والوں پر اللہ تعالیٰ کے لیے اس کے گھر کا حج فرض کیا گیا ہے''

حج کا مقصد انسان کے اندر مقامات مقدسہ کی زیادت اور عبادت کے ذریعے روحانی قوت کو مضبوط

کرنا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے'' جسے واقعی عذر یا یا جابر بادشاہ یا خطرناک بیماری کے سوا حج کرنے سے کوئی امر مانع نہیں اور پھر وہ حج کیے بغیر مر گیا تو چاہے وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی''۔

اگرچہ توحید و رسالت کے زبانی اقرار کے بعد ایک شخص قانونی طور پر مسلمان کہلانے کا حقدار ہے لیکن اسلام کی صحیح روح اُس وقت تک اُجاگر نہیں ہو سکتی جب تک وہ اس کے ساتھ یہ اعمال سرانجام نہیں دیتا۔اس حدیث میں یہی بنیادی ارکان بیان کیے گئے ہیں جو اسلام کی اساس اور بنیاد ہیں۔

☆☆☆

حدیث نمبر ۳

خلوص ووفاداری کی تلقین

عَنْ اَبِیْ رُقَیَّةَ تَمِیْمِ بْنِ اَوْسِ الدَّارِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ ا لنَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ ،قُلْنَا لِمَنْ قَالَ لِلّٰهِ وَ لِکِتَا بِهٖ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِاَ ئِمَّةِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَتِهِمْ، رَوَاهُ الْمُسْلِمُ . (اربعین نووی، حدیث نمبر: ۷)

ترجمہ:

حضرت ابو رقیہ تمیم بن اوس الداری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین خیر خواہی کا نام ہے۔ ہم نے عرض کیا کس کے لیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے لیے اور اس کی کتاب کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور مسلمانوں کے اماموں کے لیے اور عام مسلمانوں کے لیے۔ اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

شرح حدیث

اس حدیث مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے کہ دین خیر خواہی کا نام ہے اور خیر خواہی دوسروں کے ساتھ اخلاص کو کہتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ اخلاص کے مستحقین کی ایک فہرست بھی اس حدیث مبارکہ میں بیان کر دی گئی ہے تا کہ خیر خواہی کرتے وقت یہ ترتیب ملحوظ رہے۔ اسی سے اسلام کا نظام زندگی بخوبی چل سکتا ہے اور یہ معاشرہ جنت نظیر بن سکتا ہے۔

ا۔ اللہ کے لیے اخلاص:

اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص اور خیر خواہی یہ ہے کہ اس کے ایک ہونے اور لاشریک ہونے پر یقین رکھے اسی کو اپنا خالق و مالک اور حاجت روا مانے اس کی عظمت و کبریائی کو اپنے دل میں اُتارے۔

اس کے علاوہ **اطیعو اللہ** ''اللہ کی اطاعت کرو'' یعنی جو حکم اس نے دیا ہے اس کو مانے اور جس سے رک جانے کا کہا رک جائیں۔ آج ہم زبانی طور پر اللہ کے ساتھ اخلاص اور خیر خواہی کا اعلان کرتے ہیں۔ عملاً اس سے بہت دور ہیں۔

۲۔ رسول کے لیے اخلاص:

رسول اللہ کی ذات کے ساتھ اخلاص کا تقاضا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات چونکہ اللہ اور بندوں کے درمیان رابطے کا ذریعہ ہے۔ اور اس کے دین کو لوگوں تک پہنچانے کی ذمہ دار ہے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہمارے لیے مرکز عقیدت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت کا مرکز مانا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جائے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

اَطِیعُو اللّٰہ وَ اَطِعُیُو الرسول (النساء59)

اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اطاعت سے ہی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس شخص کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کتنی محبت ہے۔ آج مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت کے دعوے دار تو ہیں مگر عملاً اس کا ثبوت فراہم نہیں کر رہے۔ یہی دنیا میں مسلمانوں کی ناکامی کا سبب ہے۔

۳۔ اللہ کی کتاب کے لیے اخلاص:

اللہ کی کتاب کے ساتھ اخلاص اور خیر خواہی یہ ہے کہ:

اول: اس کی تلاوت کی جائے کیونکہ اس کی تلاوت انسان کا رابطہ اللہ کے ساتھ جوڑتی ہے۔ نیز ڈھیروں ثواب کا باعث ہے۔

دوم: اس کے معنوں پر غور کیا جائے۔ اس طریقہ سے قرآن مجید کو سمجھا جا سکتا ہے:

.اَفَلاَ یَتَدَّ بَرُوْنَ القران (النساء2)

کیا وہ قرآن پر غور نہیں کرتے۔

سوم: قرآن کے احکامات پر عمل کیا جائے کیونکہ قرآن کے ساتھ اخلاص کا اندازہ عمل سے ہوتا ہے۔

چہارم: قرآن مجید کے احکامات اور قوانین کو ملکی قانون بنا کر اس کا نفاذ کیا جائے۔

۴۔حکمرانوں سے اخلاص:

حکمرانوں کے ساتھ اخلاص یہ ہے کہ ان کی عزت کی جائے اور ان کی اطلاعت کی جائے۔کیونکہ ارشادِ ربانی ہے:

واطیعوا الله واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم . (النساء: ۵۹)

اور اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے حکمرانوں کی بھی۔اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت غیر مشروط ہے جبکہ حکمرانوں کی اطاعت نیکی کے کاموں میں ہے برائی میں نہیں۔اسلامی اصول ہے''اللہ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں''۔اس کے علاوہ ان کا ساتھ دیا جائے ان کا دفاع کیا جائے اور ان کی صحیح مشوروں سے رہنمائی کی جائے۔

۵۔عوام کے لیے اخلاص:

عوام اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے ان کے ساتھ اخلاص کے تقاضے یہ ہیں:۔

الف۔ ان کی عزت کی جائے۔

ب۔ ان کو دین کی تبلیغ کی جائے۔

ج۔ ان کی مدد کی جائے۔

د۔ ان کو اچھائی کا حکم اور برائی سے روکا جائے۔

☆☆☆

حدیث نمبر ۴

قبول اسلام کا دنیوی ثمر

عَن عبدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہ عَنْھُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہِ عَلیہِ وَسَلَّمَ قَالَ اُمِرتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْھَدُوْا اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ یُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِکَ عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَآءَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ اِلَّا بِحَقِ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُھُمْ عَلَی اللّٰہِ .رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ وَمُسْلِمٌ .

(اربعین نووی، حدیث نمبر:۸)

ترجمہ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کروں یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔اور نماز قائم کریں اور زکواۃ ادا کریں پھر اگر انہوں نے یہ سب کچھ کرلیا تو وہ مجھ سے اپنے خون اور مال کا دفاع کرلیں کے سوائے اسلام کے حق کے اوران کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔اس کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

شرح حدیث

اس حدیث مبارکہ میں کفار سے اس وقت تک جنگ کرنے کا حکم ہے جب تک وہ کفر کی روش پر قائم ہیں۔اگر وہ اسلام قبول کرنے کا اعلان کردیں تو ان کے خلاف جنگ بند کردی جائے۔کیونکہ لڑائی کی وجہ اصولی اور نظریاتی ہے ذاتی اور مفاد کی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں صرف ان لوگوں کے ساتھ لڑنے کا حکم دیا ہے جو مسلمانوں سے جنگ

کرتے ہوں یا کرنا چاہتے ہوں۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

وَقَاتِلُوْ ا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَا تِلُوْ نَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا (البقرہ190)

''اوران لوگوں سے اللہ کی راہ میں لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور تم زیادتی نہ کرو''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے لڑوں''۔ یہ حکم ایسے کفار کے لیے ہے جو مسلمانوں سے لڑتے ہوں عام کافروں کے لیے نہیں نہ ہی ان کو زبردستی اسلام پر مجبور کیا جائے گا۔

حدیث کے دوسرے حصے میں یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ اگر کفار کلمہ پڑھ لیں نیز نماز اور زکواۃ کی ادائیگی کرنے لگیں تو ایسی صورت میں جنگ نہیں کی جائے گی۔ حالت جنگ میں توحید و رسالت کی گواہی ہی کافی سمجھی جائے گی۔ ایک صحابی نے عرض کیا کہ اگر کوئی کافر دوران جنگ میرا ہاتھ کاٹ دے اور پھر درخت کی اوٹ میں ہو کر اپنے اسلام کا اعلان کرے تو میں اسے قتل کر سکتا ہوں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''نہیں''۔ کلمہ طیبہ کے بعد نماز اور زکواۃ کی پابندی لازمی ہے اس کے بغیر اسلام قبول نہیں۔

حدیث مذکورہ کے مطابق کفار کے صرف ظاہری اسلام پر اعتماد کیا جائے گا نہ کہ یہ سمجھا جائے گا کہ انہوں نے ڈر اور خوف کی وجہ سے اسلام قبول کیا ہے۔ دلوں کے بھید تو اللہ جانتا ہے۔ اس حدیث پاک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف انہی کفار سے لڑنے کا اشارہ دیا ہے جو جارحیت کا مظاہرہ کریں پُر امن کفار سے لڑائی نہیں کی جائے گی۔ اسلام کی پوری تاریخ اس پر شاہد ہے کہ اسلام امن کا دین ہے۔ اور یہ تلوار سے نہیں بلکہ کردار سے پھیلا ہے۔ اور یہ کہ اسلام میں کسی طرح کا کوئی جبر نہیں۔

☆☆☆

حدیث نمبر ۵

اُمتوں کی گمراہی اور ہلاکت

عَـن اَبِـي هُـرَيْـرَةَ عَبْـدِ الـرَّحْمٰنِ بْنِ صَخْر رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُـوْلُ الـلّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَاجْتَنِبُوْهُ وَ مَا اَمَرْتُكُمْ بِهِ فَـاْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ فَاِنَّمَا اَهْلَكَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَثْرَةُ مَسَائِلِهِمْ وَ اخْتِلَافُهُمْ عَلٰى اَنْبِيَآئِهِمْ . رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ . (اربعین نووی، حدیث نمبر:۹)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ عبدالرحمٰن بن صحر سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوفرماتے سنا ہے کہ میں جس بات سے تمہیں روکوں اس سے باز رہو اور جس بات کا حکم دوں اس پر اپنی ہمت کے مطابق عمل کرو کیونکہ تم سے پہلے لوگ اپنے انبیا علیہم السلام سے زیادہ سوالات اور اختلافات کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوگئے۔اس کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

شرح حدیث

اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو زندگی گزارنے کا ایسا سنہری اصول دیا ہے جو دنیا اور آخرت میں کامیابی اور نجات کا ذریعہ ہے۔ یہ وہ اصول ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی متعدد آیات میں مختلف طریقوں سے بیان کر کے اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو لازمی قرار دیا ہے اور اُسے کامیابی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يا ايها الذين امنو ااطيعو اللّٰه و اطيعو الرسول. (النساء50)

''اے ایمان والوں اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی''۔سورۃ النساء میں ہی ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوا:

من يطع الرسول فقد اطا ع اللّٰه۔ (النساء80)

''جس نے رسول کی اطاعت کی گویا اُس نے اللہ کی اطاعت کی''۔ جیسا کہ سورۃ الاحزاب میں ارشاد ہے:

ومن اطاع اللّٰہ و رسول فقد فاز فوزا عظیما. (الاحزاب 71)

''جس نے اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کی اس نے بڑی کامیابی حاصل کر لی''۔ یہ تمام ارشادات اس پر شاہد ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہی دراصل اللہ کی اطاعت ہے۔ نیز جن چیزوں سے آپ نے منع فرمایا ہے اُن سے بچنا ضروری ہے ورنہ اطاعت کا پہلو ادھورا رہ جائے گا۔ کیونکہ اطاعت میں اوامر ونواہی دونوں آتے ہیں۔ دونوں پر عمل پیرا ہونا ہی کامل اطاعت ہے۔

حدیث کے دوسرے حصے میں گزشتہ اُمتوں کی ہلاکت کا ایک اہم سبب ان کے کثرت سوالات کو قرار دیا گیا ہے۔ کثرت سوالات دراصل حجت کی روش ہے اور پہلی اقوام ایسا کر کے نافرمانی کی مرتکب ہوئیں جو اُن کی ہلاکت کا باعث بنی۔ مطلق سوال کرنا ممنوع نہیں۔ صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جوابات دیتے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے ارشاد فرمایا ''اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے ایک آدمی کھڑا ہوا اور پوچھا یا رسول اللہ ہر سال؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ پھر عرض کیا ہر سال؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں اور اگر میں ہاں کہہ دیتا تو واجب ہو جاتا''۔

اسی طرح کا مضمون قرآن کریم کی اس آیت میں بیان کیا گیا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَلَكُمْ تَسُئُوكُمْ.

(المائدہ 101)

" اے ایمان والو! ایسی باتوں کے متعلق سوال نہ کرو اگر تم پر وہ ظاہر کر دی جائیں تو وہ تمہیں بُری لگیں''۔ ایک اور جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''پہلی قومیں کثرت سوال اور مال کی حرص سے ہلاک ہوئیں''۔ قرآن مجید میں مومنین کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی بیان ہوئی ہے :

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ."

اور وہ (مومنین) ایسے لوگ ہیں جو بیہودہ باتوں سے پرہیز کرتے ہیں''۔ اس لیے کثرت سوال سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ سوالات اکثر مصیبت کا باعث بنتے ہیں۔

حدیث نمبر ٦

رزق حلال وقبولیت دُعا

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالیٰ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّاطَیِّبًا وَّاِنَّ اللّٰهَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِمَا اَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِیْنَ فَقَالَ تَعَالیٰ یٰۤاَیُّهَاالرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا وَقَالَ تَعَالیٰ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ ثُمَّ ذَکَرَ الرَّجُلَ یُطِیْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ یَمُدُّ یَدَیْهِ اِلَی السَّمَآءِ یَا رَبِّ یَارَبِّ، وَمَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَ مَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَ غُذِیَ بِا لْحَرَامِ فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لَهٗ. رَوَاهُ الْمُسْلِمُ.

(اربعین نووی، حدیث نمبر:١٠)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ پاک ہے وہ پاک کے سوا کچھ قبول نہیں کرتا اور بے شک اللہ نے ایمان والوں کو وہ حکم دیا ہے جو رسولوں کو دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے رسولو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک اعمال کرو اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے نہیں نے تمہیں دیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جو لمبا سفر کرتا ہے، پراگندہ بال اور گرد سے اٹا ہوا ہے۔ وہ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بڑھاتا ہے (اور کہتا ہے) اے رب، اے رب جبکہ اس کا کھانا اور اس کا پینا حرام ہے اور اس کا لباس بھی حرام کا ہے اور اسے حرام ہی کی غذا دی گئی تو اس کی پکار کا کیوں کر جواب دیا جائے گا۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔

شرح حدیث

اس حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال کمانے کی اہمیت اور حرام کی ممانعت پر ارشادفرمایا ہے اور بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حلال کے بارے میں اپنے بندوں کو واضح کر دیا ہے تا کہ کوئی شک میں نہ رہے۔اس حدیث کے دو حصے ہیں، پہلے حصے میں اکل حلال کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اسلام میں اکل حلال کی بہت اہمیت ہے اسی پر اسلام کی بنیاد ہے۔تمام اسلامی عبادات کی قبولیت کا دارومدار اکل حلال پر ہے۔ارشادربانی ہے:

''اے لوگو! زمین میں جو حلال و پاک چیزیں ہیں اُن کو کھاؤ۔ (البقرۃ:168)

اللہ تعالیٰ نے حلال میں وسعت دے رکھی ہے اور حرام کو محدود کر دیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''اللہ نے رسولوں اور اہل ایمان کو حکم دیا کہ وہ پاک چیزیں کھائیں اور نیک اعمال کریں'' ایک اور موقع پر فرمایا ''لقمہ حلال کھاؤ دعا خود بخود قبول ہوجائے گی''۔

حدیث پاک کے دوسرے حصے میں حرام خوری کے نقصانات اور اُس کے آخری نتیجے کے بارے میں خبردار کیا گیا ہے۔جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

لَا تَاْ كُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ. (النساء29:)

''آپس میں ایک دوسرے کے مال کو باطل طریقے سے مت کھاؤ'' ۔

حرام خوری کا دوسرا نقصان یہ ہے کہ یہ دعا کی قبولیت کی راہ میں رکاوٹ ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص حرام کا ایک لقمہ بھی کھاتا ہے اس کی چالیس دن تک عبادت قبول نہیں ہوتی''۔ایک اور جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: ''جس نے دس درہم کا کپڑا خریدااور اس میں ایک درہم حرام کا تھا تو جب تک وہ کپڑا اس کے جسم پر رہے گا اللہ اس کی نماز قبول نہیں کریگا''۔حرام خوری کے نتیجے میں انسان جہنم کا مستحق ٹھہرتا ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو جسم رشوت یا کسی اور طریقے سے پلا ہو وہ جنت میں نہیں جائے گا اس کے لیے آگ ہی بہتر ہے''۔

اس حدیث مبارکہ میں واضح طور پر حرام خوری کے نقصانات کو بیان کیا گیا ہے۔جیسا کہ ارشادنبویؐ ہے: ''ایک شخص کسب معاش کی غرض سے طویل سفر کر کے آتا ہے۔اس کے بال پراگندہ اور گردآلود ہوتے ہیں

۔وہ ہاتھ دعا کے لیے اُٹھاتا اور کہتا ہے اے پروردگار، اے پروردگار! یعنی خدا سے مانگتا ہے مگر اس کا کھانا بھی حرام کا ہوتا ہے اور پینا بھی، اس کا لباس بھی حرام کا ہوتا ہے اس کی دعا کیسے قبول ہو'۔ اسلام نے حرام خوری کے تمام ذرائع مثلاً رشوت، دھوکہ دہی، سود، حرام کاروبار اور کم تولنا وغیرہ کو ممنوع قرار دیا ہے۔ مختلف احادیث میں اس پر شدید وعیدیں سنائی گئی ہیں۔ رشوت خوری کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں دوزخی ہیں'' پھر فرمایا ''جس نے دھوکہ دیا وہ ہم سے نہیں''۔ آج اگر ہم اُمت مسلماں کی زبوں حالی کو دیکھیں تو اس حدیث کی روشنی میں اس کی وجہ سامنے ہے۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اکل حلال تمام اعمال صالح کی اساس اور شرط قبولیت ہے۔ اس کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں۔ آیات و احادیث کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رزق حلال اخلاقی عیوب اور معاشرتی برائیوں سے باز رکھتا ہے۔ اس سے دل میں نرمی پیدا ہوتی ہے، دعا قبول ہوتی ہے جبکہ حرام کھانے سے اعمال برباد ہو جاتے ہیں، آدمی سنگدل ہو جاتا ہے، دل سے مہر و محبت اُٹھ جاتی ہے، انسان خودغرض و حریص بن جاتا ہے۔

☆☆☆

حدیث نمبر ۷

وقت کی قدر

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهُ مَالَا یَعْنِیْهِ حَدِیْثٌ حَسَنٌ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ غَیْرُهٗ هٰکَذَا. (اربعین نووی، حدیث نمبر:۱۲)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کے اسلام کی خوبی اس کا غیر متعلق باتوں کو چھوڑ دینا ہے۔ یہ حدیث حسن ہے اسے امام ترمذی اور دوسروں نے اسی طرح روایت کیا ہے۔

شرح حدیث

اس حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر متعلقہ چیزوں کو ترک کرنا اسلام کا ایک وصف بیان کیا ہے۔ یہ انسانی زندگی کے حوالے سے ایسا عمدہ اصول ہے جو انسان کی دنیا اور آخرت میں بھلائی کا باعث بنتا ہے۔ یہ حدیث اپنے دامن میں بے حد وسعت اور جامعیت رکھتی ہے۔

اسلام نے انسان کو اپنی جسمانی صلاحتوں کی حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے اور قیامت کے دن ان صلاحیتوں کے مثبت اور منفی استعمال کا حساب لیا جائے گا۔ اللہ تعالی کی طرف سے عطا کردہ بیش بہا انسانی صلاحیتوں میں سے اس کی ہاتھ پاؤں، زبان، آنکھ، کان، اس حوالے سے زیادہ اہم ہیں کہ انہی کی بدولت انسان دنیاوی افعال سرانجام دیتا ہے۔ پس ان اعضا اور صلاحیتوں کا صحیح استعمال دنیا میں انسان کی کامیابی کا باعث بنتا ہے اور آخرت میں باعث نجات بھی۔ اس حدیث میں گویا اپنے اوقات عزیز کو غیر اسلامی کاموں

اوراشغال کی نذر کرنا اسلام کے منافی قرار دیا گیا ہے۔قرآن کریم کی سورۃ المومنون آیت نمبر ایک تا تین میں مومنین کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے:

ترجمہ: بیشک وہ مومن فلاح پا گئے، جو اپنی نمازوں میں ڈرتے ہیں اور بے ہودہ باتوں سے منہ موڑتے ہیں۔

حدیث مذکورہ میں آدمی کے اسلام کی خوبی اس کا غیر متعلق باتوں کو چھوڑ دینا قرار دیا گیا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''جو زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کی ضمانت دے میں اُسے جنت کی بشارت دیتا ہوں''۔

پس ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے وقت کی صحیح قدر کرے اپنے وقت اور صلاحیتوں کے صحیح استعمال کی حتی الامکان کوشش کرے اور ہر اُس چیز سے اپنے آپ کو دور کرے جو اُس کے لیے دنیاوی اور اُخروی خسارے کا باعث ہے۔دنیا میں وہی اقوام کامیاب ہوتی ہیں جنہوں نے وقت کی قدر کی ہے۔اس کے برعکس ناکامی کا شکار اقوام اور افراد اگر غور کریں تو ساری صورتحال ان کے سامنے آجائے گی جبکہ آخرت کا مرحلہ ابھی آگے کا ہے۔جہاں وقت اور صلاحیتوں کے مثبت اور منفی استعمال پر جوابدہ ہونا ہے۔

☆☆☆

حدیث نمبر ۸

خودغرضی کی مذمت

عَنْ اَبِیْ حَمْزَةَ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ خَادِمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰه عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَایُحِبُّ لِنَفْسِهٖ. رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَ مُسْلِمٌ. (اربعین نووی، حدیث نمبر:۱۳)

ترجمہ:

حضرت ابوحمزہ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہیں سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے اُس وقت تک کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے کرتا ہو۔اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

شرح حدیث

اخوت وہ عالمگیر انسانی جذبہ ہے جو امت مسلمہ کو باہم ایک لڑی میں پرو کر اسے ملت واحدہ کی شکل عطا کرتا ہے۔اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مومن کے کامل ایمان کی یہ شرط بیان کی ہے کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔محدث ابن العماد کے نزدیک بھائی سے مراد عالمگیر انسانی برادری ہے۔اس حدیث پاک سے اسلامی اخوت کے مندرجہ ذیل پہلو نمایاں ہوتے ہیں:

ا۔ ہمدردی اور خیرخواہی:

اخوت اور بھائی چارے کا تقاضا ہے کہ مسلمان ہر مشکل میں ایک دوسرے کی خیرخواہی کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''دین خیرخواہی کا نام ہے'' پوچھا گیا کس کی خیرخواہی'' فرمایا اللہ کی، رسول کی، اس کی کتاب کی، مسلمان سربراہان اور عوام کی۔''

۲۔ ایذا رسانی سے گریز:

آپ نے مسلمانوں کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔'' ایک اور موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ تو اُس پر ظلم کرتا ہے اور نہ بُرے وقت میں ساتھ چھوڑتا ہے اور نہ ہی اُسے حقیر جانتا ہے''۔

۳۔ جان مال اور آبرو کا تحفظ:

اخوت ملی کا تقاضا ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی جان مال اور اس کی عزت و آبرو کا محافظ ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے کہ ''ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی آبرو مال اور خون حرام ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مسلمان کو گالی دینا فسق اور قتل کرنا کفر ہے'' ارشاد باری تعالیٰ ہے ''جس نے جان بوجھ کر کسی مسلمان کو قتل کیا وہ جہنم میں داخل ہوگا اور ہمیشہ اس میں رہے گا''۔

۴۔ ایثار:

نظام اخوت اُسی صورت میں برگ و بار ہوسکتا ہے جب مسلمان ایک دوسرے کے لیے باہم ایثار وقربانی کا جذبہ رکھیں تاریخ اسلامی ایثار وقربانی کے لاتعداد واقعات سے بھرپور ہے۔ قرآن کریم میں سورۃ الحشر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ''وہ انہیں اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں خواہ وہ خود ضرورت مند ہوں''۔

۵۔ تنازعات میں صلح:

مسلمان پر لازم ہے کہ جب ان میں سے دو بھائیوں کے درمیان کوئی تنازعہ اُٹھ کھڑا ہو تو وہ ان میں صلح کروادے۔ یہ سب سے بڑا تقاضا اخوت ہے۔ ارشاد ربانی ہے ''پس تم اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرودیا کرو'' (الحجرات:10) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ''کیا میں تمہیں ایسا عمل نہ بتادوں جس کا درجہ نماز، روزے اور زکواۃ سے بڑھ کر ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ضرور فرمایئے ارشاد فرمایا ''مسلمانوں کے درمیان صلح کروادینا سب سے افضل و بہتر ہے''

۶۔ عزت و احترام:

دوسرے مسلمان کی عزت اور اس کا احترام بھی اخوات اسلامی کا اہم تقاضا ہے اور یہ باہم ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے۔ اس سے آپس میں محبت بڑھتی ہے۔ اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ و

سلم کا فرمان ہے ''کسی شخص کے بُرا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔

۷۔ دکھ سکھ میں شرکت:

انسانی زندگی خوشی اور غم کا مجموعہ ہے ایک انسان کو قدم قدم پر دوسرے مسلمان کی حاجت رہتی ہے ۔ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شرکت سے خوشیاں دوبالا اور غموں کی شدت میں کمی واقعہ ہوتی ہے۔اس سے انسان کے اندر جینے کی امنگ پھر سے جاگ اُٹھتی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ''جو (مومن) شخص دوسرے مومن کے دکھ سکھ کو محسوس نہ کرے وہ مومن نہیں''

۸۔ اتحاد و یکجہتی:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مسلمان کی مثال آپس میں باہم ایک دیوار کی سی ہے جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ کو مضبوط کرتی ہے۔قرآن کریم میں بھی اس اتحاد ملی کو اس طرح بیان کیا گیا ہے ''اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رکھو اور تفرقہ بازی میں مت پڑو''

اخوت کا جذبہ پروان چڑھانے کے لیے ہمیں ہر آن کوشاں رہنا چاہیے۔اس کے برعکس وہ تمام اخلاق رزیلہ جو اخوت کے راستے میں رکاوٹ اور زہر قاتل ہیں ان سے حتی الامکان خود کو بچانا چاہیے۔کیونکہ یہی اخلاق رزیلہ مثلاً غیبت، حسد، بغض، قطع تعلقی، تجسس، بدگمانی، رسوائی وغیرہ نہ صرف دو مسلمان بھائیوں بلکہ مسلمان قوم میں بگاڑ اور فساد کا باعث بنتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے بچائے۔

حدیث نمبر ۹

ایمان کے بنیادی تقاضے

عَن اَبیِ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلّٰی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْرًا اَوْلِیَصْمُتْ وَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُکْرِمْ جَارَہٗ وَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَہٗ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ وَ مُسْلِمٌ۔ (اربعین نووی، حدیث نمبر: ۱۵)

ترجمہ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ بھلی بات کہے یا یہ کہ وہ خاموش رہے اور جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے اور جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔ اسے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

شرح حدیث

اس فرمان نبوی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علیحدہ علیحدہ تین چیزوں کی فضیلت و اہمیت بیان فرمائی ہے جو در اصل ایک مسلمان کے ایمان کے بنیادی تقاضے ہیں۔ جن کی ترتیب حسب ذیل ہے۔

۱۔ اچھی بات کرنا۔ ۲۔ ہمسائے کی عزت کرنا۔

۳۔ مہمان کی عزت کرنا۔

۱۔ اچھی بات کرنا۔

اچھی بات کرنا بھی صدقہ ہے۔اس حدیث مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے کہ انسان کو ہمیشہ اچھی اور نیک بات ہی کرنا چاہیے جو انفرادی اور اجتماعی فلاح کا باعث ہو۔انسان کو حتی الامکان اپنی زبان کو بُری باتوں مثلاً جھوٹ، غیبت، بہتان، طرازی، بدکلامی، اور دل شکنی سے محفوظ رکھنا چاہیے اور زبان سے وہی کچھ کہے جو دنیا میں بھلائی کا باعث ہو اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بھی۔ایک دفعہ ایک صحابیؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا میرے لیے سب سے زیادہ اندیشہ کی چیز کیا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان ہاتھ میں پکڑ کر فرمایا ''یہ''۔غیر ضروری باتوں سے خاموشی ہی بدرجہا بہتر ہے۔اسلامی نقطہ نظر کے مطابق انسان جو کچھ بولتا ہے فرشتے اسے لکھتے جاتے ہیں لہذا انسان اپنے ہر کہے ہوئے لفظ پر بارگاہ ایزدی میں جوابدہ ہے۔اس لیے آپ صلی اللہ وعلیہ وسلم نے فرمایا: ''جو خاموش رہا اس نے نجات پائی''۔

انسان اپنی دانست میں بعض اوقات ایسی بات کہہ دیتا ہے جس کی شدت کا اندازہ اُسے نہیں ہوتا۔اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بندہ سوچے سمجھے بغیر بات کہہ جاتا ہے جو آگ کی طرح مشرق ومغرب کے فاصلے سے بھی زیادہ پھیل جاتی ہے''اگر اچھی بات نہ کہہ سکے تو خاموشی ہی بہتر ہے''۔

۲۔ ہمسائے کی عزت کرنا:

کسی بھی معاشرے میں ہمسائے کی اہمیت مسلمہ ہے۔اسی اہمیت کے پیش نظر ہمسائے کے ساتھ حسن سلوک، اُس کی عزت، اس کے جان و مال اور ابرو کی حفاظت کی تلقین کی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو، اور رشتہ داوں پڑوسی کے ساتھ اور اجنبی پڑوسی کے ساتھ اور پہلو کے ساتھی (ہمسائے) کے ساتھ۔'' (النساء4 36)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ''وہ شخص جنت میں نہیں جائیگا جس کے پڑوسی اس کی برائیوں سے محفوظ نہ ہو''ایک اور جگہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا گیا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جسے یہ پسند ہو کہ وہ خدا اور رسول کا محبوب بنے اُسے چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسی کا حق ادا کرے''۔

احادیث میں ہمسائے کے حقوق کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ہمسائے کے حقوق کی ادائیگی کو ہی ایک مسلمان کی اچھائی کا معیار قرار دیا گیا ہے۔اسی لیے حدیث میں فرمایا ''جب اپنے پڑوسی کو اپنے حق میں اچھا

کہتے سنو تو سمجھو اچھا کر رہے ہو اور جب بُرا کہتے سنو تو سمجھو کہ بُرا کر رہے ہو'۔

ہمسائے کی دیکھ بھال اور اس کے حقوق کی ادائیگی رحمت خداوندی کا ذریعہ ہے۔ جو انسان کی کامیابی کا واحد ذریعہ ہے۔ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ''کیا تم جانتے ہو کے پڑوسی کا کیا حق ہے؟ قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! پڑوسی کا حق وہ ادا کرسکتا ہے جس پر اللہ کی رحمت ہو''۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: ''وہ شخص مومن نہیں جو خود سیر ہو کر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔'' ایک صحابیہ دن کو روزہ رکھتی اور رات کو تہجد پڑھتی تھی مگر اپنے پڑوسیوں کو ایذا پہنچاتی تھی، آپؐ نے فرمایا وہ دوزخ میں جائے گی۔

۳۔ مہمان کی عزت:

اس حدیث مبارکہ میں جن تین باتوں کا حکم دیا گیا ہے اُن میں سے تیسری بات مہمان کی عزت ہے۔ مہمان کی عزت فرض کی حیثیت رکھتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی بہت مہمان نواز تھے۔ مہمان کی آمد پر بہت خوش ہوتے۔ ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں کسی کے پاس جاؤں اور وہ میری تواضع نہ کرے تو جب وہ میرے پاس آئے تو میں اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کروں فرمایا نہیں اس کی تواضع کرو'۔ مہمانی تین دن تک فرض ہے اور اس میں تکلف سے منع کیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے'' پر تکلف دعوت ایک روز شب تک ہے۔ مہمانی تین دن تک ہوتی ہے اس کے بعد جو بھی تواضع ہوگی وہ صدقہ ہوگی۔

(نسائی)

مختلف انبیا علیہم السلام کی خصوصیات میں سے ایک اہم صفت اُن کی مہمان نوازی ہے جسے خود قرآن نے بھی کئی جگہ بیان کیا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص خدا اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اُسے چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے اور جو شخص خدا اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اُسے چاہیے کہ اپنے قرابت کے تعلقات کو جوڑے رکھے۔ (بخاری)

حدیث نمبر ۱۰

تین زریں نعمتیں

عَـن اَبِـي ذَرٍّ جُـنْـدُبِ بْنِ جُنَادَةَ وَاَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُمَا كُنْتَ وَ اَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا وَ خَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ حَدِيْثٌ" حَسَنٌ" وَ فِيْ بَعْضِ النُّسَخِ حَسَنٌ' صَحِيْحٌ'. (اربعین نووی، حدیث نمبر:۱۸)

ترجمہ:

حضرت ابوذر جندب بن جنادہ اور حضرت ابوعبدالرحمٰن بن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے روایت ہے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تو جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرتا رہ اور بدی کے پیچھے نیکی کر وہ اسے (بدی کو) مٹا دے گی اور لوگوں سے عمدہ معاملہ کر۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث حسن ہے اور بعض نسخوں میں ہے کہ یہ حسن صحیح ہے۔

شرح حدیث

اس حدیث پاک میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزیں بیان کی ہیں اور ان پر زور دیا ہے۔

۱۔ ہر جگہ اللہ سے ڈرنا۔ ۲۔ برائی کے بعد اچھائی کرنا۔ ۳۔ حسن اخلاق

۱۔ اللہ سے ڈرنا۔

اس کو دوسرے معنوں میں تقویٰ کہا جاتا ہے۔ اسلام میں اس کی بہت اہمیت ہے بلکہ عبادات اسلامی کی ادائیگی کا مقصد اللہ کی رضا کے ساتھ ساتھ تقویٰ کا حصول بھی ہے۔ اسلام نے مسلمانوں میں باہم معیار عزت و برتری کو دولت و ثروت اور رنگ و نسل کی بجائے تقویٰ کو قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ

ہے''بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے''

(الحجرات:13)

بقول مولف پردہ:''تقویٰ نفس کی اس کیفیت کا نام ہے جو خدا ترسی اور احساس ذمہ داری سے پیدا ہوتا ہے''ایک بار حضرت عمرؓ نے حضرت ابیؓ بن کعب سے تقویٰ کی حقیقت دریافت کی تو آپ نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ''کیا آپ کبھی خاردار راستے پر چلے ہیں؟''آپ نے فرمایا''کئی مرتبہ''۔حضرت ابیؓ نے پوچھا''آپ کیسے گزرتے ہیں''؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا میں نے بچاؤ کیا اور کپڑے سمیٹ کر چلا۔حضرت ابیؓ نے جواب دیا یہی تقویٰ ہے۔انسان کے دل کے اندر اگر یہ کیفیت جاگزیں ہو جائے اور اسے خلوت اور جلوت میں اللہ کا ڈر موجود رہے تو معاشرہ سے ہر قسم کا فساد اور برائی ختم ہو جائے۔یہ جذبہ انسان کو ہر طرح کے ڈر اور خوف سے بے نیاز کر دیتا ہے۔اور انسان اللہ کے علاوہ کسی سے بھی نہیں ڈرتا۔تقویٰ ایک جامع لفظ ہے اس کے معنی ہیں شرعی احکام کی پابندی اور منہیات سے بچنا۔تقویٰ کا وصف اختیار کر کے انسان اللہ کی پناہ میں آجاتا ہے اسی لیے اس کا نام تقویٰ(بچاؤ) ہے۔

۲۔ برائی کے بعد اچھائی:

حدیث کے دوسرے حصے میں برائی کے بعد نیکی کا حکم دیا ہے۔اس کا مقصد یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ بندہ غلطی کر کے گناہ اور برائی کا بندہ بن جائے اور اللہ کی رحمت سے مایوس ہونے کے ساتھ ساتھ برائی میں بڑھتا چلا جائے۔اُسے چاہیے کہ وہ برائی کے بعد نیکی کرے۔اس کی یہ نیکی جہاں اُس کے پچھلے گناہوں کے لیے کفارہ کا باعث بنے گی وہیں نیکی کی برکت سے وہ اچھائی کی طرف مائل اور برائی سے باز آنے کی بھی کوشش کرے گا۔(سورۃ الفرقان 70) میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:''جس نے توبہ کی ایمان لایا اور عمل صالح کیا''پس اللہ اُس کی برائیوں کو اچھائیوں میں بدل دیتا ہے۔ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے: ترجمہ: ''بیشک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں''انسان کی آنکھ سے بہنے والے پشیمانی کے آنسو اللہ کو بہت محبوب ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے''رونے والی آنکھ پر اللہ نے دوزخ کی آگ حرام ٹھہرا دی ہے''۔

برائی کے بعد نیکی کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ انسان برائی پر ڈٹا رہے بلکہ نیکی کے ساتھ ساتھ توبہ بھی کرتا رہے۔توبہ گناہوں کے ازالہ کا بہترین ذریعہ ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''گناہ سے توبہ کرنے والا یوں ہو جاتا ہے جیسے اس نے گناہ کا ارتکاب کیا ہی نہ ہو۔''

۳۔ حسن اخلاق:

حسن اخلاق اسلامی معاشرے کا ایک اہم جز ہے اور یہ انبیاء علیہم السلام کا وصف ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے زیادہ حسن سلوک پر زور دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے بہتر وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں''۔ ایک بار ایک شخص حضرت عائشہؓ کے پاس آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں پوچھنے لگا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا ''کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا'' کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق قرآن کی عملی تفسیر ہیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بداخلاقی کی بہت مذمت کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ''میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں''۔ میٹھے بول میں جادو ہے۔ اچھے اخلاق کا مظاہرہ کر کے ہم اپنے اردگرد کے ماحول کو پرسکون اور خوشگوار بنا سکتے ہیں۔ جبکہ بداخلاقی انتشار کا باعث ہے۔

☆☆☆

حدیث نمبر۱۱

حیاداری کا جوہر

عَنۡ اَبِیۡ مَسۡعُوۡدٍ عُقۡبَۃَ بۡنِ عَمۡرٍو الۡاِنۡصَارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ قَالَ قَالَ رَسُوۡلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِمَّا اَدۡرَکَ النَّاسُ مِنۡ کَلَامِ النُّبُوَّۃِ الۡاُوۡلٰی اِذَالَمۡ تَسۡتَحِ فَاصۡنَعۡ مَا شِئۡتَ رَوَاہُ الۡبُخَارِیُّ. (اربعین نووی، حدیث نمبر:۲۰)

ترجمہ:

حضرت ابومسعود عقبہ بن عمر وانصاری بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اس (حکمت) میں سے جو لوگوں نے سابقہ نبوت کے کلام سے حاصل کی (یہ ہے کہ) جب تو حیا نہ کرے پھر تو جو چاہے کر۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا۔

شرح حدیث

حیا وہ جذبہ ہے جو انسان کو نیکی کی طرف راغب کرتا اور برائی سے روکتا ہے۔ حیا کے جامع اور ہمہ گیر فوائد کے پیش نظر آپؐ نے فرمایا کہ حیا جملہ سابقہ شریعتوں کا جز و تھی۔ صداقت، دیانت اور امانت کی طرح اس پر بھی ہر شریعت میں تاکید رہی ہے۔ ''حیا وہ عمدہ صفت ہے جو آدمی کو برے کام اور گناہ کے کام کرنے سے روکتی ہے''۔ بقول مولف پردہ: ''اسلام کی مخصوص اصطلاح میں حیا سے مراد ''شرم'' ہے جو کسی امر منکر کی جانب مائل ہونے والا انسان خود اپنی فطرت کے سامنے اور اپنے خدا کے سامنے محسوس کرتا ہے۔ یہی حیا وہ قوت ہے جو انسان کو فحشاء اور منکر کا اقدام کرنے سے روکتی ہے۔ اور اگر وہ جبلت حیوانی کے غلبہ سے کوئی برا فعل کر گزرتا ہے تو یہی چیز اس کے دل میں چٹکیاں لیتی ہے'' (پردہ ص222)

حیا کی دو اقسام ہیں۔

ا۔ حیائے محمود ۲۔ حیائے مذموم

ا۔ حیائے محمود:

وہ حیا جو انسان کو برائی سے روکے حیائے محمود کہلاتی ہے۔ مثلاً بڑوں کا ادب، بدزبانی سے پرہیز وغیرہ۔

۲۔ حیائے مذموم:

وہ حیا جو اچھے کاموں سے روک دے حیا مذموم کہلاتی ہے۔ مثلاً حق بات کہنے میں شرم، دینی امور سرانجام دینے میں شرم وغیرہ۔

حیا وہ انسانی جذبہ ہے جو باعث خیر ہے۔ اسی لیے اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیا کو ایک اہم انسانی وصف قرار دیتے ہوئے حد قائم فرمادی کہ جب تو حیا کو ترک کر دے تو پھر جو جی میں آئے وہ کر۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ''حیا صرف بھلائی ہی لاتی ہے''۔ ایک دوسری جگہ اس کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی ہے ''حیا ایمان کا حصہ ہے'' حیا اور ایمان لازم وملزوم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ''حیا اور ایمان باہم لازم وملزوم ہیں جب ان میں سے کسی ایک کو اُٹھالیا جائے تو دوسرا بھی اُٹھالیا جائے گا''۔ ایک اور دوسری جگہ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حیا ایمان کی ایک شاخ ہے اور ایمان جنت کا باعث ہے اور بے حیائی اکھڑ پن ہے اور اکھڑ پن کا ٹھکانہ دوزخ ہے''۔ اس حدیث مبارکہ کے دوسرے حصے میں حیا کو تمام انبیاء کی تعلیمات کا نچوڑ قرار دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ حیا چھوڑنے کے بعد جو جی چاہے کر۔ اس کا مطلب ہے کہ حیا سے آزادی دراصل اچھائی کو خیر باد کہنے والی چیز ہے اور انسان شتر بے مہار کی طرح برائی کی سرزمین پر دندناتا پھرتا ہے۔

☆☆☆

حدیث نمبر۱۲

ایک جامع ہدایت

عَن اَبِیْ عَمْرٍو (وَقِیْلَ اَبِیْ عَمْرَۃَ) سُفْیَانَ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قُلْ لِّیْ فِی الْاِسْلَامِ قَوْلًا لَّآ اَسْئَلُ عَنْہُ اَحَدًا غَیْرَکَ قَالَ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ رَوَاہُ مُسْلِم''. (اربعین نووی، حدیث نمبر:۲۱)

ترجمہ:

حضرت ابوعمرو سے روایت ہے (اور انہیں ابوعمرۃ بھی کہا گیا) سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اسلام میں کوئی ایسی بات بتایئے جو میں آپؐ کے سوا کسی اور سے نہ پوچھوں۔ آپؐ نے فرمایا تو کہہ میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر قائم رہ۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔

شرح حدیث

اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان باللہ اور اس کی استقامت بیان کی ہے۔ ایمان باللہ کا دوسرا نام توحید ہے جو ایک نظریہ ہی نہیں بلکہ عملی حقیقت ہے اس لیے اس پر استقامت اختیار کرنا بہت مشکل کام ہے۔ ایمان ہی تقویٰ کی اصل اساس ہے قرآن میں ہر جگہ ایمان کو اعمال صالح پر مقدم رکھا گیا ہے۔ ایمان عمل کا دیباچہ اور پیش خیمہ ہے۔ ایمان واعتقاد پر ہی عمل کی عمارت استوار ہوتی ہے۔ جس قدر ایمان پختہ ہوگا اسی قدر اعمال کی عمارت مضبوط ہوگی اور دنیا کی کوئی قوت اس کو متزلزل نہ کر سکے گی۔

ایمان پر ثابت قدمی کی بے شمار مثالیں ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت توحید کا آغاز کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر لبیک کہہ کر صحابہ کرام دین میں داخل ہونے لگے تو یہ بات کفر کے پُرستاروں

کوکسی طور پر بھی نہ بھائی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو توحید کی پاداش میں جن مصائب وآلام سے دوچار ہونا پڑا اُس کا تصور بھی محال ہے۔ کتنے ہی اصحاب کو اپنی جانیں لٹانا پڑیں، گھر بار چھوڑنا پڑا لیکن اس کے باوجود ان کے پائے استقامت میں کمی نہیں آئی۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر ثابت قدم رہے تو انہیں کسی قسم کا خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہونگے، یہی لوگ جنتی ہیں''۔ (الاحقاف 14:13)

ایک اور مقام پر اہل ایمان کی ثابت قدمی پر اس انعام کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔''جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر ثابت قدم رہے تو ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور انہیں کہتے ہیں کہ خوف اور غم نہ کرو اور تمہیں خوشخبری ہے اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے (حم سجدہ 30)

حدیث مذکورہ میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان باللہ اور اس کو اختیار کرنے کے بعد اس پر استقامت اور ثابت قدمی دکھانے کی تلقین کی ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے جو انسان کو بہت سے معبودان باطلہ سے نکال کر ایک خدائے واحد کی اطاعت میں لے آتا ہے جو دراصل انسان کی عزت نفس کا باعث بنتا ہے۔ اسی طرح ایمان اور توحید پر ثابت قدمی انسان کو مضبوط اور طاقتور بنا دیتی ہے۔ انسان جب توحید پر ثابت قدمی دکھاتا ہے تو نتیجہ کے طور پر انسان کی فطری محبتیں جسے جان، مال، اولاد، کی حیثیت ثانوی رہ جاتی ہے۔ اور انسان بے نیاز ہوکر ان سب چیزوں کو اللہ کی محبت میں قربان کر دیتا ہے۔ اُسے اپنی جان کی کوئی پرواہ نہیں رہتی اُسے یہ کامل یقین ہوتا ہے کہ نفع ونقصان اور زندگی موت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ یہی چیز اُس کے لیے سرخروی کا باعث بنتی ہے۔

عقیدہ توحید انسان کو وسعت نظر بھی عطا کرتا ہے جس کے باعث انسان کی نظر آفاقی ہو جاتی ہے اور انسان رنگ نسل مذہب، وملت، علاقائی، نسلی اور گروہی تعصب وتنگ نظری سے نکل کر عالمگیر تصور توحید کا علمبردار بن جاتا ہے۔ جو دراصل انسان کا مقصد تخلیق ہے۔

حدیث نمبر ۱۳

پابندی فرائض کا ثمرہ

عَن اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ الْاِ نْصَارِیّ رَضِیَ اللّٰہ ُعَنْھُمَااَنّ رَجُلًا سَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَرَأَیْتَ اِذَا صَلَّیْتُ الْمَکْتُوْبَاتِ وَ صُمْتُ رَمَضَانَ وَ اَحْلَلْتُ الْحَلَالَ وَ حَرَّمْتُ الْحَرَامَ وَ لَمْ اَزِدْ عَلٰی ذٰلِکَ شَیْئًااَدْخُلُ الْجَنَّۃ، قَالَ نَعَمْ رَوَاہُ مُسْلِمُ' وَّ مَعْنٰی حَرَّمْتُ الْحَرَامَ اِجْتَنَبْتُہٗ وَمَعْنٰی اَحْلَلْتُ الْحَلَال فَعَلْتُہٗ مُعْتَقِدًا حِلَّہٗ. (اربعین نو وی، حدیث نمبر:۲۲)

ترجمہ:

حضرت ابوعبداللہ، جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو عرض کیا آپؐ کی کیا رائے ہے جب میں فرض نمازیں پڑھوں اور رمضان کے روزے رکھوں اور حلال کو حلال جانوں اور حرام کو حرام جانوں اور اس سے کچھ زیادہ نہ کروں تو کیا میں جنت میں داخل ہو جاؤں گا؟ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا اور حرام کو حرام جانوں کے معنی ہیں اسے (حرام سے) اجتناب کروں اور حلال کو حلال جانوں کے معنی ہیں کہ اس کے حلال ہونے کا یقین رکھتے ہوئے اسے کروں۔

شرح حدیث

اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے سنہرے اصول بیان کیے ہیں جیسے۔

۱۔فرض نماز کی ادائیگی ۲۔رمضان کے روزے ۳۔حلال حرام کی پابندی

ان احکام پر عملدرآمد کرنے پر جنت کی بشارت بھی دی ہے، ذیل میں ان اصولوں کی اہمیت بیان

کی جاتی ہے۔

ا۔ نماز کی ادائیگی:

توحید کے بعد نماز اسلام کا سب سے پہلا اور اہم رکن ہے۔جس کے بارے میں اللہ تبارک تعالیٰ نے قرآن کریم میں سات سو مرتبہ حکم دیا ہے۔اس سے اس کے مرتبے اور قدر و قیمت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ نماز ہی وہ عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کی بندگی کا اہم ذریعہ ہے اور مسلمانوں کی تربیت اور نظم وضبط میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔سورۃ العنکبوت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے'' (العنکبوت:45)

نماز ہی مسلمانوں اور کافروں کے درمیان پہچان کا ذریعہ ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے'' اسلام اور کفر کے درمیان فرق صرف نماز کا ہے''ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے''جس نے جان بوجھ کر ایک نماز ترک کی اس نے کفر کیا''۔

باجماعت نماز کی ادائیگی مسلمانوں میں نظم وضبط کے ساتھ ساتھ اجتماعیت کی تربیت بھی دیتی ہے۔ پنجگانہ باجماعت نماز کی ادائیگی پھر جمعہ عیدین اور حج کے دوران کی نمازیں اور عبادات اسلام کا وہ عالمگیر اور جامع تصور ہے جس کی مثال کسی اور مذہب وملت میں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی۔بہت سی دوسری احادیث میں بھی نماز کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اسے دین کا ستون اور مومن کی معراج قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ روزہ:

ارکان اسلام میں روزہ ایک اہم دینی عبادت ہے اور نماز کے بعد اس کا نمبر ہے۔اصطلاح شریعت میں صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک ہر قسم کی کھانے پینے کی چیزوں اور نفسانی خواہشات سے پرہیز کا نام روزہ ہے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس کی فرضیت کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے''اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں۔جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بنو''۔ (البقرۃ183)

روزے کا اصل مقصد انسان کے اندر تقویٰ اور ضبط نفس کی صفات پیدا کرنا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں دوسری تمام عبادات پر اجر وثواب کی معین مقدار کا ذکر کیا ہے۔وہاں روزے کے اجر وثواب

کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ''روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اُس کی جزا دوں گا'' نبی کریم کا فرمان ہے ''جس نے ایمان اور احتساب کی نیت سے روزے رکھا اُس کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے گے۔(ابوداوَد)

روزہ گناہوں کے خلاف ڈھال ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''روزہ اور قرآن قیامت کے روز بندے کی سفارش کریں گے۔روزے کہے گا اے رب میں نے اس شخص کو دن کے وقت کھانا کھانے اور اپنی خواہشات پوری کرنے سے روکے رکھا۔اس لیے اس کے معاملے میں میری سفارش منظور فرما اور قرآن کہے گا اے رب میں رات کے وقت اس شخص کو نیند سے بیدار رکھا اس لیے اس کے معاملے میں میری سفارش منظور فرما''۔

۳۔ حلال وحرام کی تمیز:

اس حدیث مبارکہ میں جو تیسرا اہم اصول بیان کیا گیا ہے وہ حلال حرام کی پابندی سے متعلق ہے ۔اسلام میں حلال حرام کو بہت بنیادی اہمیت حاصل ہے۔حلال سے مراد وہ تمام امور اور چیزیں ہیں جو دلیل قطعی سے ثابت اور جائز ہیں۔جبکہ حرام سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص حرام کا ایک لقمہ بھی اپنے اندر ڈالتا ہے اس کی چالیس دن تک عبادت قبول نہیں ہوتی۔اسلام نے انسانوں کی تربیت پر بہت زور دیا ہے۔اور بہت واضح طو پر حلال و حرام کی پہچان کرادی ہے۔اس حدیث میں بھی ایک شخص کے استفسار پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تین امور کی انجام دہی پر اُسے جنت کی بشارت دی۔جبکہ ان امور سے دوری اور لاپرواہی انسان کو اللہ کا نافرمان اور جہنم کا مستحق کر دیتی ہے۔

☆☆☆

حدیث نمبر ۱۴

طہارت امورِ خیر

عَـن اَبِـيْ مَالِكٍ الْحَارِثِ بْنِ عَاصِمِ الْاَ شْعَرِيْ رَضِيَ اللّٰه عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰـهِ صَلّٰـى اللّٰـهُ عَـلَيْـهِ وَسَلَّمَ اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيْزَانَ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَاٰنِ (اَوْ تَمْلَأُ) مَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ وَ الـصَّلٰوةُ نُوْرٌ، وَ الصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ، وَ الصَّبْرُ ضِيَآءٌ، وَّ الْقُرْاٰنُ حُجَّةٌ لَكَ اَوْ عَلَيْكَ كُلُّ النَّاسِ يَغْدُوْ فَبَائِعٌ، نَفْسَهٗ فَمُعْتِقُهَا اَوْ مُوْبِقُهَا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

(اربعین نووی، حدیث نمبر:۲۳)

ترجمہ:

حضرت ابو مالک حارث بن عاصم اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پاکیزگی نصف ایمان ہے اور الحمدللہ کہنا ترازو کو بھر دیتا ہے، سبحان اللہ اور الحمدللہ آسمان اور زمین کے درمیان والی فضا کو بھر دیتے ہیں (یا ایک ہی بھر دیتا ہے) اور نماز نور ہے اور صدقہ دلیل ہے اور صبر روشنی ہے اور قرآن ایک دلیل ہے تمہارے حق میں یا تمہارے خلاف اور جب آدمی صبح کرتا ہے وہ اپنی جان کا سودا کرتا ہے یا تو اسے آزاد کرتا ہے یا اسے ہلاک کرتا ہے۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔

شرح حدیث

اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف امور پر روشنی ڈالی ہے جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

۱۔صفائی نصف ایمان　　۲۔تحمید و تسبیح کرنا　　۳۔نماز

۴۔صدقہ ۵۔صبر ۶۔قرآن

۷۔جان کا سودا

۱۔ صفائی نصف ایمان ہے:

طہارت تمام عبادات اسلامی کے لیے بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔حدیث مبارکہ میں اسے نصف ایمان قرار دیا گیا ہے۔ارشاد نبوی ہے''طہارت نصف ایمان ہے'' طہارت کے لیے صفائی اور پاکیزگی کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔طہارت دو قسم کی ہوتی ہے ایک ظاہری صفائی اور دوسری باطنی صفائی کہلاتی ہے۔

ظاہری صفائی سے مراد جسم اور لباس کی صفائی ہے،عبادات کی ادائیگی سے پہلے جسم اور لباس کا پاک اور صاف ہونا ضروری ہے۔اس صفائی کا تعلق جہاں عبادات سے ہے وہیں روزمرہ انسانی زندگی میں بھی اس کی بہت اہمیت ہے۔اس سے جہاں انسان کی ظاہری شخصیت نکھرتی اور قابل قدر رہتی ہے وہیں صاف لباس اور صاف جسم بہت سے جسمانی بیماریوں سے بچاؤ کا باعث بھی بنتا ہے۔جیسا کہ مشہور ہے کہ صحت مند جسم کے اندر ہی صحت مند دفاع ہوتا ہے اور صحت مند جسم کے لیے صفائی شرط اول ہے۔

باطنی صفائی سے مراد دل کی صفائی ہے۔اس کا تعلق انسان کے تقویٰ سے ہے۔انسان اپنے دل کو ہر قسم کی آلائشوں اور نفسانی خواہشات سے بچا کر باطنی صفائی کے لیے کوشش کر سکتا ہے جبکہ باطنی صفائی میں کمال کے لیے ذکر،فکر اور عبادت اکسیر کی حیثیت رکھتی ہیں۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ دل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا''تقویٰ یہاں ہے''ایک اور حدیث مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے''تم میں کسی گورے کو کالے پر یا کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں بلکہ فضیلت اور برتری کا معیار تقویٰ ہے''اسی لیے اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم نے طہارت اور صفائی کو نصف ایمان قرار دیا ہے۔

۲۔ تسبیح اور تحمید:

الحمد اللہ کہنا تحمید جبکہ سبحان اللہ کہنا تسبیح کہلاتا ہے۔الحمد اللہ کلمہ شکر جبکہ سبحان اللہ کلمہ ذکر ہے۔حدیث مذکورہ کے مطابق ان کلمات کا اجز وثواب اس قدر زیادہ کہ یہ زمین اور آسمان والی کے درمیان والی جگہ کو بھر دیتا ہے۔اور اس کا اجر وثواب ان کلمات کے ادا کرنے والے کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔بہت سی دوسری احادیث میں بھی ان کلمات کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے۔ویسے بھی فضول بیٹھنے سے ذکر اللہ بہتر

ہے اور ذکر اللہ کی بہترین صورت اس کی تسبیح وتحمید ہے جس کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے۔ذکر الٰہی سے سکون واطمینان کی دولت ہاتھ آتی ہے چنانچہ سورۃ الرعد ۲۸ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ:''اللہ کے ذکر میں ہی دلوں کا اطمینان ہے''۔

۳۔ نماز:

ذکر اللہ کی سب سے افضل صورت اللہ کے دربار میں کھڑے ہونا قیام کرنا، رکوع وسجود کرنا اور اس کی حمد وثنا کرنا ہے۔جس کی عملی شکل نماز ہے۔قرآن کریم میں اس کے لیے صلواۃ اور ذکر کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں۔اس حدیث میں نماز کو بندہ مومن کے لیے نور قرار دیا گیا ہے۔قرآن مجید میں نماز کے متعلق ارشاد ہے''میرے ذکر کے لیے نماز قائم کرو'' نماز دل کا سکون اور روح کے لیے فرحت کا باعث ہے۔اس لیے فرمان نبوی ہے''نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے''۔قرآن کریم میں ایک اور جگہ ارشاد ہے''بیشک نماز بے حیائی اور بُری باتوں سے روکتی ہے''۔

۴۔ صدقہ:

حدیث مذکورہ میں صدقہ کو برہان (دلیل) قرار دیا گیا ہے۔یعنی صدقہ ایمان کے دعویٰ میں صادق ہونے کی دلیل ہے اور اس کے دلیل ہونے سے یہ بھی مراد ہے کہ صدقہ وخیرات سے مصیبتیں دور ہوتی اور صدقہ کرنے والے شخص کے لیے طمانیت اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ایک اور حدیث میں ارشاد ہے''صدقہ بلاؤں کو ٹالتا ہے''۔صدقہ کے مفہوم میں بڑی وسعت پائی جاتی ہے اور بے شمار احادیث میں اس کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

۵۔ صبر:

انسان کو دنیا میں طرح طرح کے مصائب اور آلام کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ان مصائب اور آلام کو جرأت اور ثابت قدمی کے ساتھ برداشت کرنے کا نام صبر ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوت دین کا آغاز کیا تو آپؐ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو طرح طرح کی تکلیفوں اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب نے جس جرأت کے ساتھ ان مشکلات اور مصائب کا سامنا کیا وہ اپنی مثال آپ ہیں۔اسی لیے قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

''بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔ (البقرہ153)

اس حدیث میں صبر کو روشنی قرار دیا گیا ہے۔اس لیے کہ انسان جب گردش دوراں کا شکار ہو کر ہر طرف سے مایوس اور نا اُمید ہو جاتا ہے تو صبر ہی اس کی ہمت بندھاتا ہے۔صبر کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم میں صبر کا لفظ ۷۰ سے زائد مقامات پر استعمال ہوا ہے۔انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں صبر کی اہمیت مسلمہ ہے اور اسی پر استوار ہو کر انسان کامیاب ہو سکتا ہے۔

۶۔ قرآن:

قرآن وہ کتاب عظیم اور کتاب ہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی۔اس حدیث مبارکہ میں قرآن کو یہ کہہ کر دلیل قرار دیا گیا ہے کہ'' قرآن تیرے لیے یا تیرے خلاف حجت ہے''۔

اس سے مراد یہ ہے کہ اگر قرآن کے بتائے راستے پر مسلمان عمل پیرا ہوں گے تو قرآن اُن کے حق میں دلیل ہے اور اُن کی نجات کا باعث بھی۔اس کے برعکس اگر مسلمان قرآن کے خلاف اعمال کریں گے تو وہ اللہ کی ناراضگی کا باعث بھی بنے گا اور ان کے خلاف بھی حجت بنے گا۔اسی لیے قرآنی احکامات پر عملدرآمد انسان کے لیے باعث ہدایت بھی ہے اور ذریعہ نجات بھی۔

۷۔ جان کا سودا:

اس حدیث مبارکہ کے آخر پر بیان کیا گیا ہے کہ انسان جب صبح جاگتا ہے تو اپنی جان کا سودا کرتا ہے یا تو اسے آزاد کرا دیتا ہے یا ہلاک کرتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر انسان اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے احکامات کے مطابق اپنی زندگی گزارتا ہے تو وہ اپنی جان کا سودا کر کے اللہ کے حوالے کر دیتا ہے۔اس کے برعکس اللہ کے احکامات کی نافرمانی کر کے جہنم کا سزاوار کر کے خود کو دائمی ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضا نصیب کرے اور نافرمانی سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆

حدیث نمبر ۱۵

صدقہ کا جامع مفہوم

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰه عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلّٰی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ سُلَامٰی مِنَ النَّاسِ عَلَیْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ یَوْمٍ تَطْلُعُ فِیْهِ الشَّمْسُ تَعْدِلُ بَیْنَ الْاِ ثْنَیْنِ صَدَقَةٌ وَ تُعِیْنُ الرَّجُلَ فِیْ دَآبَّتِهٖ فَتَحْمِلُهٗ عَلَیْهَا اَوْ تَرْفَعُ عَلَیْهَا مَتَاعَهٗ صَدَقَةٌ وَالْكَلِمَةُ الطَّیِّبَةُ صَدَقَةٌ وَ بِكُلِّ خُطْوَةٍ تَمْشِیْهَااِلَی الصَّلٰوةِ صَدَقَةٌ وَ تُمِیْطُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ صَدَقَةٌ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَ مُسْلِمٌ. (اربعین نووی، حدیث نمبر:۲۶)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کے ہر جوڑ پر صدقہ ہے۔ ہر دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے (یعنی کوئی دن خالی نہیں) جس میں تو دو آدمیوں کے درمیان انصاف کرے صدقہ ہے اور تو کسی آدمی کو اس کی سواری میں مدد کرتا ہے اور اسے سواری پر بٹھا دیتا ہے یا اس پر اس کا سامان لاد دیتا ہے یہ بھی صدقہ ہے اور کلمہ طیبہ (پاک بات) صدقہ ہے اور ہر قدم جو تو نماز کی طرف چل کر جاتا ہے صدقہ ہے اور تو راستے سے کوئی اذیت والی چیز ہٹا دیتا ہے یہ بھی صدقہ ہے۔ اسے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا۔

شرح حدیث

اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کا جامع مفہوم بیان کیا ہے اور اسلام کے تصور نیکی کی وضاحت کی ہے جو کہ بہت وسیع ہے۔ اسلام نے انسان کی چھوٹی چھوٹی اور معمولی اچھائیوں اور کام کو بھی نیکی قرار دیا ہے حتی کہ اگر کوئی انسان صرف نیکی کا ارادہ کرے اور کسی وجہ سے وہ نیکی نہ کر سکے تو بھی

اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی درج کی جاتی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی حقیر نہ جانو کیونکہ یہ چھوٹی نیکیاں جمع ہوکر میزان عمل کو بھاری کر دیتی ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ہرطلوع ہوتے سورج کیساتھ لوگوں کے ہر جوڑ پرصدقہ واجب ہوتا ہے۔لہذا ہرانسان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ نیکی اورصدقہ کی کثرت کے ساتھ اُس واجب الادا صدقہ کی ادائیگی کا اہتمام کرے۔اس حدیث میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی بیان کردہ الفاظ کے ساتھ یہ ارشادفرمایا ہےاوران مندرجہ ذیل امورکوصدقہ،نیکی،اور باعث ثواب قرار دیا ہے:۔

ا۔ دولوگوں میں عدل:

اسلام میں عدل کوعالمگیراہمیت حاصل ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ:''اور جب تم لوگوں میں فیصلہ کروتو عدل سے کرو''۔ (النساء58)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:''عادل حکمران کا ایک دن زاہد کی ساٹھ سالہ عبادت سے بہتر ہے ''۔ایک اور موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ کے عرش کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا اللہ تعالیٰ سات اشخاص کو وہ سایہ نصیب کرے گا۔ان میں سے ایک عادل حکمران بھی ہوگا''۔''دو افراد کے درمیان عدل سے فیصلہ کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔اس سے معاشرے میں امن وامان کا قیام ممکن ہوتا ہے۔کائنات کا پورانظام اللہ کے نظام عدل سے قائم ہے۔

۲۔ سواری میں مدد:

حدیث مبارکہ کے مطابق کسی انسان کواس کی سواری میں مدداُس کوسواری پر بٹھانا یا سامان لادنے میں مدد کرنا بھی صدقہ قرار دیا گیا ہے۔یہ ایک ایسا کام ہے جس کوبعض اوقات کوئی شخص اکیلا سرانجام نہیں دے سکتا اور اُسے دوسرے کے سہارے اور مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ایک انسان کا دوسرے انسان کی سواری میں مدداور بار برداری میں مدد صدقہ ہے۔

۳۔ اچھی بات کہنا:

حدیث مبارکہ کے مطابق''اچھی بات بھی صدقہ ہے''کسی بھی معاشرے میں اُسی وقت صحیح معنوں میں امن واہم آہنگی قائم ہوسکتی ہے جب افرادمعاشرہ آپس میں باہم ایک دوسرے کے ساتھ شیروشکر ہوں اور

اخلاق حسنہ پر عمل پیرا ہوں۔ انہی اخلاقی صفات میں سے ایک صفت اچھا کلام ہے جس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مواقع پر تاکید کی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہے اسی چاہیے کہ اچھی بات کہے یا چپ رہے''۔ ایک اور موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جنت میں جھروکے ہیں جن میں بیٹھیں تو اُن کے اندر سے اُن کا باہر اور ان کا اندرون باہر سے باہر سے دکھائی دیتا ہے''۔ ایک اعرابی اُٹھا اور کہا ''یا رسول اللہ یہ کن کے لیے ہیں''؟ فرمایا ''جو اچھی بات کرے، کھانا کھلائے، اکثر روضہ رکھے اور رات کو نماز (تہجد) پڑھے جب لوگ سوتے ہیں''۔

۴۔ نماز کی طرف جانا:

حدیث میں چوتھی نیکی یہ بیان کی گئی ہے کہ نماز کی طرف چل کر جانا بھی صدقہ ہے۔ قرآن کریم اور احدیث بنوی میں نماز کی بہت تاکید اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ''جو لوگ اندھیروں میں چل کر مسجد کی طرف جاتے ہیں اُن کو پوری روشنی کی خوشخبری دے دو''۔ ایک اور موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہر قدم پر اُس کا ایک درجہ بلند کرے گا اور ایک گناہ مٹا دے گا''، جبکہ ایک اور روایت میں ارشاد ہے ''جتنا سفر زیادہ کرے گا اُتنا ہی ثواب ملے گا''۔

۵۔ تکلیف دہ چیزوں کا ہٹانا:

اس حدیث مبارکہ کے مطابق راستے سے کسی اذیت دہ چیز کو ہٹانا بھی صدقہ ہے۔ مثلاً کانٹے، پتھر، رکاوٹ، وغیرہ۔ ابو برزہ اسلمیؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کوئی ایسا کام بتایئے جس سے مجھے فائدہ ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مسلمانوں کی راہ سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹا دے''۔ ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''راستے میں ایک درخت تھا جس کی شاخیں لوگوں کو تکلیف دیتی تھیں، ایک شخص نے ان کو کاٹ دیا وہ جنت میں گیا''۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الادآب)

مختصراً یہ کہ بظاہر حقیر سی نیکیاں انسان کے لیے بڑے اجر و ثواب کا باعث ہیں جن کا اس حدیث میں بیان ہے۔

☆☆☆

حدیث نمبر ۱۶

برکات وثمرات زہد

عَن اَبِیْ الْعَبَّاسِ سَهْلِ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ دُلَّنِیْ عَلٰی عَمَلٍ اِذَا عَمِلْتُهُ اَحَبَّنِیَ اللّٰهُ وَ أَحَبَّنِي النَّاسُ فَقَالَ ازْهَدْ فِی الدُّنْیَا یُحِبُّکَ اللّٰهُ وَ ازْهَدْ فِیْمَا عِنْدَ النَّاسِ یُحِبَّکَ النَّاسُ. حَدِیْثٌ حَسَنٌ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَ غَیْرُهٗ بِاَسَانِیْدَ حَسَنَةٍ.

(اربعین نووی، حدیث نمبر:۳۱)

ترجمہ:

حضرت ابوعباس سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! کسی ایسے عمل کی طرف میری راہنمائی فرمائیں کہ جب میں وہ عمل کروں تو اللہ بھی مجھ سے محبت کرنے لگے اور لوگ بھی مجھ سے محبت کرنے لگیں۔ آپؐ نے فرمایا دنیا کے بارے میں لاپرواہ ہوجا، اللہ تجھ سے محبت کرے گا اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے بے رغبت ہوجا لوگ تجھ سے محبت کریں گے۔ یہ حدیث حسن ہے اسے ابن ماجہ اور ان کے علاوہ دیگر نے اسناد حسن کے ساتھ روایت کیا۔

شرح حدیث

اس حدیث مبارکہ میں زہد کی برکات وثمرات کو بیان کیا گیا ہے۔ زہد سے مراد یہ ہے کہ انسان دنیا میں اس طرح رہے کہ اس کی بنیادی سہولتوں سے تو فائدہ اُٹھائے لیکن اس کی لذات اور تعیّشات کو ترک کردے یعنی حلال کمائے اور حرام کو چھوڑ دے۔ زہد دنیا سے بے نیازی کا نام ہے لیکن ترک دنیا کا نہیں انسان کو ہمیشہ دنیوی مال ومتاع پر دین کو ترجیح دینی چاہیے۔ ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا'' دنیا کا زہد یہ نہیں کہ آدمی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کرے اور نہ یہ کہ اپنا مال ضائع کردے۔ دنیا میں زہد یہ ہے کہ اپنے ہاتھ والے مال سے زیادہ بھروسہ اس مال پر ہو جو اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اگر اس پر دنیا میں مصیبت آئے تو اس سے زیادہ خوش ہو کہ آخرت میں مصیبت نہ آئے۔ دنیا طلبی زہد کے برخلاف ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' اللہ کی قسم مجھے اس بات کا خوف نہیں کہ تم فقر میں گرفتار ہو گے ہو بلکہ اس بات کا ڈر ہے کہ تم پر دولت ایسے چھا جائے جیسے سابقہ اقوام پر چھا گئی اور تم ایک آنکھ کی طرح دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ایسے چاہنے لگو اور یہ تمہیں بھی اسی طرح ہلاک کردے جیسے سابقہ اقوام کو کیا تھا'' (بخاری مسلم)

زہد ترک کرنے کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ دنیاوی پریشانیاں انسان کو اس طرح گھیر لیتی ہیں کہ پھر انسان کہیں کا بھی نہیں رہتا۔ چنانچہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے'' جس شخص کو دنیا کی بڑی فکر ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے کام پریشان کردے گا اور اس کی مفلسی دونوں آنکھوں کے درمیان کردے گا (یعنی قریب) اور دنیا اس کو اتنی ملے گی جتنی اس کی تقدیر میں لکھی ہے

اللہ تعالیٰ کی نظر میں دنیا کی حیثیت ایک حقیر چیز کی سی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان'' اگر دنیا اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس میں سے ایک قطرہ پانی کا بھی کافر کو نہ پینے دیتا''۔ اس حدیث میں بھی آپ نے ایک شخص کے سوال کے جواب میں ایک ایسا عمل بیان کیا ہے جس کی وجہ سے انسان اللہ کا محبوب بن جاتا ہے اور وہ یہی ہے کہ انسان دنیا کے بارے میں لاپرواہ اور بے رغبت ہو جائے تو اللہ اس سے محبت کرتا ہے اور لوگوں کی نگاہ میں بھی محبوب بن جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بار پوچھا گیا کہ لوگوں میں زاہد ترین شخص کون ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قبر اور اس کے امتحان کو نہ بھولا، جس نے دنیا کی زینت کو ترک کیا، جس نے باقی کو فانی پر ترجیح دی، جس نے کل کو اپنی زندگی کے ایام میں شمار نہ کیا اور اپنے آپ کو فوت شدگان میں شمار کیا ہے۔

(شرح اربعین ابن حجر)

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں درہم تھے نہ دینار، لونڈی تھی نہ غلام، صرف سواری کا ایک خچر اور اسلحہ تھا اور کچھ زمین تھی جو مسافروں کے لیے صدقہ کردی تھی۔

(بخاری)

حدیث نمبر ۱۷

ضرر رسانی کی ممانعت

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ سَعْدِ بْنِ مَالِکْ بْنِ سِنَانِ الْخُدْرِیّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلّٰی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا ضَرَرَ وَ لَا ضِرَارَ.

(اربعین نووی، حدیث نمبر:۳۲)

ترجمہ:

حضرت ابوسعید سعد بن مالک سنان خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ نقصان پہنچاؤ اور نہ نقصان اُٹھاؤ۔

شرح حدیث

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی معاشرے کے دو اہم اصول بیان فرمائے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر معاشرہ امن و امان کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

ا۔ نقصان نہ پہنچانا:

اسلام امن و سلامتی کا دین ہے، معاشرہ اسی وقت امن وسکون کا گہوارہ بن سکتا ہے جب مسلمان اس اہم صفت سے متصف ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں''۔ ایک اور جگہ فرمایا ''تم میں سے بہتر وہ آدمی ہے جو لوگوں کو زیادہ نفع پہنچاتا ہے''۔ آپؐ رحمت للعالمین ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی رحمت صرف انسانوں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ چرند پرند جانور اور درخت تک کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت ہیں۔ چنانچہ آپ نے ان چیزوں کو ایذا اور نقصان پہنچانے سے منع فرمایا ہے۔ اسلام نے ظلم اور نقصان پہنچانے کو ناپسندیدہ امر قرار دیا ہے۔ ارشاد

باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔'' (آل عمران 151)

ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم''۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظالم کی مدد کیسے کریں؟ فرمایا ''اس کے ہاتھ کو ظلم سے روک دو''۔ ایک اور جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو ظالم کی مدد کرے تا کہ وہ طاقتور بنے پس وہ اسلام سے خارج ہو گیا''۔ اس حدیث میں بھی یہی اصول بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ نقصان نہ اُٹھانا:

اسلام دین فطرت ہے اور اس نے فطری اصولوں کو اپنانے کی تعلیمات دی ہیں۔ اسلام نے جہاں نقصان پہنچانے سے منع کیا ہے وہاں نقصان نہ اُٹھانے کی بھی تاکید ہے کیونکہ یہ بیوقوفی کی علامت ہے۔ اس لیے نبی کریمؐ نے فرمایا ''مسلمان ایک سوراخ سے دو دفعہ نہیں ڈسا جاتا''۔ بُرے لوگ اور اسلام دشمن قوتیں مختلف حیلوں بہانوں سے اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتیں ہیں جس سے بعض اوقات ملکی سلامتی کو بھی خطرات لاحق ہو جاتے ہیں، اس لیے ایسے لوگوں سے ہوشیار رہنا چاہیے جو ملک، قوم اور اسلام کے لیے ضرر اور نقصان کا باعث ہوں۔

☆☆☆

حدیث نمبر ۱۸

نہی عن المنکر کے تین درجے

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِالْخُدْرِیْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلّٰی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم یَقُوْلُ مَنْ رَّاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَ ذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ. (مسلم)

(اربعین نووی، حدیث نمبر:۳۴)

ترجمہ:

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا کہ تم میں سے جو برائی کو دیکھے پس وہ اسے ہاتھ سے روک دے۔ اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھتا ہوتو زبان سے روکے، اگر وہ اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہوتو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

(مسلم)

شرح حدیث

اس حدیث مبارکہ میں نہی المنکر کے جن تین درجات کو بیان کیا گیا ہے وہ دراصل ایک مسلمان کے ایمان کے تین درجے ہیں ان کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے۔

ا۔ برائی کو ہاتھ سے روکنا:

برائی کو روکنے کا سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کو بذریعہ قوت روکا جائے یہ ایمان کا اعلیٰ ترین درجہ ہے جس کی اس حدیث میں وضاحت کی گئی ہے۔ برائی سے روکنا اور منع کرنا انفرادی اور اجتماعی طور پر ضروری ہے ورنہ خدانخواستہ سارا معاشرہ اس برائی کا شکار ہوسکتا ہے۔ اگرچہ اسلامی معاشرے میں یہ صاحب امر یعنی حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر ممکن طریقے سے برائی کا انسداد کریں اور معاشرے کو برائیوں سے پاک کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''یہ وہ لوگ ہیں جب ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں گے تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکواۃ دیں گے اور نیکی کی ہدایت کریں گے اور برائی سے منع کریں گے''۔ (الحج:41)

انفرادی طور پر افراد معاشرہ بھی اس بات کے ذمہ دار ہیں کہ وہ برائی کا قلع قمع کرنے میں اپنا کردار ادا کریں اور بزور قوت برائی کو پھیلنے سے روکیں۔

۲۔ زبان سے روکنا:

حدیث میں نہی المنکر کا دوسرا درجہ برائی کا زبان سے روکنا بتایا گیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان برائی کا انسداد کرنے کے لے زبان سے کلمہ حق بلند کرتا رہے، یہ کام بھی انفرادی اوراجتماعی کوشش کا متقاضی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ''لوگوامر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے رہا کرومبادہ کہ وہ وقت آپہنچے کہ تم دعا مانگواور تمہاری دعا قبول نہ ہواور تم سوال کرواور اللہ اس کو پورا نہ کرے اور تم اللہ سے مدد چاہو اور وہ تمہاری مدد نہ کرے''۔ سورۃ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اور چاہیے کہ تم میں ایسی جماعت ہو جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے، بھلی باتوں کا حکم کرے اور بُری باتوں سے منع کرے اور صرف وہی لوگ فلاح والے ہیں جو اس کام کو کرتے ہیں۔

(آل عمران:11)

۳۔ دل سے بُرا جاننا:

اس حدیث میں ایمان کا کمزور ترین درجہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر انسان ہاتھ اور زبان سے برائی کو نہ روکنے کی قدرت رکھتا ہو تو کم از کم اتنا ضرور کرنا چاہیے کہ برائی کو برائی سمجھے اور دل میں بُرا خیال کرے (یا برا منائے)۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ؐ نے فرمایا کہ جب لوگ خلاف شرح کسی چیز کو دیکھیں اور اس میں تغیر نہ کریں تو قریب ہے کہ حق تعالیٰ ان لوگوں کو اپنے عمومی عذاب میں مبتلا فرمادے''۔ آج اگر ہم معاشرے پر نگاہ دوڑائیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ہر طرف برائی کا دور، دورہ ہے۔ ہاتھ اور زبان سے برائی کو روکنا تو درکنار دل سے بُرا منانے کی بھی کوئی کوشش نہیں کرتا۔ یہی ہماری تباہی کا باعث ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت پہلے آگاہ فرمایا تھا ''خدا کی قسم تمہارے لیے لازم ہے کہ بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو ورنہ اللہ تم پر ایسے لوگوں کو مسلط کر دے گا جو تم میں سب سے بدتر ہوں گے اور تم کو سخت تکلیفیں پہنچائیں گے۔ پھر تمہارے نیک لوگ خدا سے دعا مانگیں گے مگر وہ قبول نہ ہوگی۔

حدیث نمبر ۱۹

دینی اخوت کے تقاضے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰه عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلّٰی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَلَا یَبِعْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَیْعِ بِعْضٍ وَ کُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا اَلْمُسْلِمُ، اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُهٗ وَ لَا یَخْذُلُهٗ وَلَا یَکْذِبُهٗ وَلَا یَحْقِرُهٗ اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا وَ یُشِیْرُ اِلٰی صَدْرِهٖ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ بِحَسْبِ امْرِیءٍ مِّنَ الشَّرِ اَنْ یَّحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمِ کُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهٗ وَ مَالُهٗ وَ عِرْضُهٗ رَوَاهُ مُسْلِمٌ. (اربعین نووی، حدیث نمبر:۳۵)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور تم آپس میں حسد نہ کرو اور نہ باہم بولی بڑھاؤ اور نہ باہم بغض رکھو اور نہ باہم پیٹھ پیچھے برائی کرو تم میں سے کوئی دوسرے کے سودے پر سودا نہ کرے اور اے اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے بے یارومددگار چھوڑتا ہے اور نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے اور نہ اسے کمتر سمجھتا ہے۔ تقویٰ یہاں ہے آپؐ نے اپنے سینے کی طرف تین بار اشارہ کر کے فرمایا۔ آدمی کے لیے شر میں سے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت حرام ہے۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔

شرح حدیث

اسلام اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتا ہے اور رزائل اخلاق سے بچنے اور کنارہ کشی کا حکم دیتا ہے۔ رزائل

اخلاق کے دنیوی اور آخروی دوطرح کے نقصانات ہیں۔ اگر ایک انسان ان سے نہیں بچتا تو جہاں یہ دنیوی رسوائی اور معاشرتی بگاڑ کا باعث بنتے ہیں وہیں اُخروی رسوائی بھی انسان کا مقدر بنتی ہے جو کہ بڑا خسارہ ہے۔ اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی رزائل اخلاق کو ایک ایک کر کے بیان فرمایا کہ ان سے بچنے کی تلقین کی ہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

۱۔ حسد:

حسد ایک ایسا جذبہ ہے جو انسان کو کہیں کا بھی نہیں چھوڑتا اور حاسد شخص کا سکھ چین چھین لیتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ''حسد نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو'' اس حدیث میں حسد سے منع کیا گیا ہے۔

۲۔ بولی دینا:

خرید وفروخت میں بولی دینا اگر چہ بُرا نہیں لیکن اگر بولی کا مقصد محض قیمت بڑھانا ہو تو اسلام اس کی مذمت کرتا ہے کیونکہ اس کا مقصد دوسرے مسلمان کو نقصان پہنچانا ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بولی دینے سے منع فرمایا ہے۔

۳۔ بغض:

بغض اور کدورت رکھنے والا شخص کبھی پیکر اخلاق نہیں بن سکتا۔ وہ کسی کے دل میں اپنی جگہ بنا پاتا ہے نہ کسی کو اپنے دل میں صحیح مرتبہ ومقام دے سکتا ہے۔ اسلام بغض سے منع کرتا ہے کیونکہ یہ نفرت انسان کو کئی دوسرے گناہوں میں مبتلا کر دیتی ہے۔ جس کی وجہ سے معاشرتی تعلقات خراب اور منقطع ہو جاتے ہیں۔

۴۔ غیبت:

اللہ تعالیٰ نے غیبت کرنے والے کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف قرار دیا ہے۔ یہ معاشرتی تعلقات کے لیے زہر قاتل ہے۔ اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹھ پیچھے برائی یعنی غیبت سے منع فرمایا ہے۔ معراج کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جن عذابات کا مشاہدہ کروایا گیا ان میں سے ایک غیبت کرنے والوں پر عذاب بھی تھا۔

۵۔ سودے پر سودا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو منع کیا ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کے سودے پر سودا نہ کریں کیونکہ جب ایک شخص دوسرے شخص کے کیے ہوئے سودے پر سودا کرے گا تو اس سے جہاں اس شخص کو نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا وہیں پر معاشرتی تعلقات میں بھی بگاڑ پیدا ہوگا جو کہ اسلامی معاشرے کے لیے مہلک ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

۶۔ اخوت:

حدیث کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ۔ اور فرمایا ''ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے'' یہی اخوت اور بھائی چارہ قومی یکجہتی کا باعث ہے جبکہ اس سے گریز نفاق کو جنم دیتا ہے، جس سے قومی یکجہتی کو نقصان پہنچتا ہے۔ کلمہ توحید ہی وہ واحد چیز ہے جو رنگ ونسل کے امتیازات کو مٹا کر مسلمانوں کو امت واحدہ کی لڑی میں پرو دیتا ہے۔

۷۔ ظلم سے گریز:

اسلام سلامتی کا دین ہے۔ وہ ایک مسلمان کو دوسرے پر ظلم کرنے سے روکتا ہے۔ جس کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے۔ ظلم کی روش اختیار کرنے سے افراد معاشرہ آپس میں باہم متصادم ہوتے ہیں جو کہ معاشرہ کے لیے انتہائی نقصان کا باعث ہیں۔

۸۔ ساتھ چھوڑ دینا:

مسلمان مسلمان کا ساتھی اور مددگار ہے وہ کبھی بھی مشکل حالات میں دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑتا بلکہ مشکل میں اس کے کام آتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ''مسلمان قوم کی مثال ایک دیوار کی سی ہے جس کی ہر اینٹ دوسرے اینٹ کو مضبوط کرتی ہے''۔ اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکل وقت میں ساتھ چھوڑنے سے منع فرمایا ہے۔

۹۔ جھوٹ بولنا:

حدیث میں جھوٹ بولنے سے منع کیا گیا ہے یہ بہت بڑا جرم ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اللہ

تعالیٰ جھوٹوں پر لعنت کرتا ہے۔

۱۰۔ کم تر سمجھنا:

اللہ کے ہاں نیکی اور برتری کا معیار تقویٰ ہے، جس کا ذکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجتہ الوداع میں فرمایا۔ اس حدیث میں دوسرے مسلمان کو کم تر سمجھنے سے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ مسلمان دوسرے مسلمان کو اپنے سے کم تر نہیں سمجھتا۔

۱۱۔ مرکز تقویٰ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق تقویٰ کا مرکز انسان کا دل ہے۔ جس کا اظہار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا نیز آدمی کے شر کے لیے یہی کافی قرار دیا کہ وہ دوسرے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔

۱۲۔ حرمت جان، مال اور آبرو:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمایا ہے کہ ''ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، اُس کا مال اور اس کی عزت حرام ہے'' ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کی عزت کا محافظ، خون کا نگہبان اور مال کا نگران ہوتا ہے۔ اسی اصول پر عمل کر کے معاشرہ امن کا گہوارہ بن سکتا ہے۔ جبکہ ان سے انحراف فساد اور انتشار کو جنم دیتا ہے جس کا شکار آج امت کا ہر فرد دکھائی دیتا ہے۔

☆☆☆

حدیث نمبر ۲۰

فکر آخرت

عَنْ اَبِیْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمَا قَالَ اَخَذَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْکِبِیَّ فَقَالَ کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ، اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ وَ کَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمَا یَقُوْلُ اِذَا اَمْسَیْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَ اِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَآءَ وَ خُذْ مِنْ صِحَّتِکَ لِمَرْضِکَ وَ مِنْ حَیَاتِکَ لِمَوْتِکَ. رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ. (اربعین نووی، حدیث نمبر: ۴۰)

ترجمہ:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کندھے کو پکڑ کر فرمایا: دنیا میں ایسے ہو جا جیسے تو اجنبی ہے یا مسافر ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے جب تو شام کرے تو صبح کا انتظار نہ کر اور جب تو صبح کرے تو شام کا انتظار نہ کر اور اپنی صحت کو مرض کے لیے غنیمت جان اور اپنی زندگی کو موت کے لیے غنیمت جان۔ اسے امام بخاریؒ نے روایت کیا۔

شرح حدیث

دنیا اور اس کی تمام چیز عارضی ہیں جبکہ انسان کا اصل ٹھکانہ آخرت اور اس کی نہ ختم ہونے والی زندگی ہے۔ اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں رہنے کا طریقہ بیان فرمایا ہے۔ دنیا کی زندگی محض عارضی اور چند روزہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ''دنیا آخرت کی کھیتی ہے'' یہاں انسان جو کچھ بوتا ہے آخرت میں کاٹتا ہے۔ اس لیے یہاں زندگی آزمائش سمجھ کر گزارنی چاہیے۔ لمبی اُمیدوں سے گریز کرنا چاہیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میرا دنیا سے کیا تعلق میری اور دنیا کی مثال تو ایسے

ہے جیسے کوئی سوار ہوا اور وہ درخت کے سائے میں بیٹھ جائے، پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جائے''۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو نعمتوں یعنی زندگی اور صحت سے نوازا ہے۔ جس کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے۔ مراد یہ کہ صبح کو شام کا اور شام کو صبح کا انتظار کرنے کے بجائے جتنے نیک کام ممکن ہوں کر لینے چاہیے کیونکہ مہلتِ عمر کسی وقت بھی ختم ہو سکتی ہے، جبکہ صحت دوسری بڑی نعمت ہے۔ اس سے پہلے کہ بیماری انسان کو گھیر لے جتنے نیک کام ہو سکیں ذخیرہ آخرت کر لیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، صحت کو بیماری سے پہلے، دولت کو فقیری سے پہلے ،فراغت کو مصروفیت سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔

☆☆☆

قرآن وحدیث

حصہ قرآن مجید

1۔ قرآن مجید کتاب ہدایت وضابطہ حیات

الہامی کتابوں کا تعارف

2۔ نزول وتدوین قرآن مکی ومدنی آیات وسورۃ

3۔ تلاوت قرآن آداب قرآن، رموز اوقاف

4۔ فضائل قرآن، اعجاز قرآن

5۔ تفسیر قرآن واصول تفسیر قرآن

چند عربی تفاسیر کا تعارف (6 تفاسیر)

۱) تفسیر کبیر ۲) تفسیر ابن کثیر

۳) تفسیر بیضاوی ۴) تفسیر روح المعانی

۵) تفسیر المراغی ۶) تفسیر احکام القرآن

6۔ **معاشرتی، معاشی اور اخلاقی تربیت کے حوالہ سے آیات قرآن کی نشاندہی اور تفصیلی مطالعہ**

۱) الحشر: 22 تا 24 آیات ۲) الانعام: 95 تا 98 آیات

۳) الحجرات: 1 تا 5 آیات ۴) المائدہ: 90 تا 93 آیات

۵) الرعد: 12 تا 15 آیات ۶) البقرۃ: 285 تا 286 آیات

حصہ حدیث

1۔ حدیث کی تعریف،اقسام حدیث،راویان حدیث
2۔ تدوین حدیث،احتیاط وکاوش،ابتدائی مجموعے
3۔ کتب احادیث کا مجموعی تعارف،صحاح ستہ،مسانید،مشکواۃ المصابیح
4۔ حجیت حدیث،حدیث وسنت،سنت کا مقام ومرتبہ
5۔ **منتخب 20 احادیث اربعین نووی**

۱)اعمال کا دارومدار حدیث نمبر۱
۲)ارکان اسلام حدیث نمبر۳
۳)خلوص ووفاداری کی تلقین حدیث نمبر۷
۴)قبول اسلام کا دینوی ثمرہ حدیث نمبر۸
۵)اُمتوں کی گمراہی وہلاکت حدیث نمبر۹
۶)رزق حلال وقبولیت دعا حدیث نمبر۱۰
۷)وقت کی قدر حدیث نمبر۱۲
۸)خودغرضی کی مذمت حدیث نمبر۱۳
۹)ایمان کے بنیادی تقاضے حدیث نمبر۱۵
۱۰)تین زریں نعمتیں حدیث نمبر۱۸
۱۱)حیاداری کا جوہر حدیث نمبر۲۰
۱۲)ایک جامع ہدایت حدیث نمبر۲۱
۱۳)پابندی فرائض کا ثمرہ حدیث نمبر۲۲
۱۴)طہارت امور خیر حدیث نمبر۲۳
۱۵)صدقہ کا جامع مفہوم حدیث نمبر۲۶
۱۶)برکات وثمرات زہد حدیث نمبر۳۱
۱۷)ضرررسانی کی ممانعت حدیث نمبر۳۲
۱۸)نہی عن المنکر کے تین درجے حدیث نمبر۳۴
۱۹)دینی اخوت کے تقاضے حدیث نمبر۳۵
۲۰)فکر آخرت حدیث نمبر۴۰